

پیشہ

پاگل خانے کا قیدی ملا خط فرمائیے۔ اس میں فریدی اور جمید سے ملینے۔ جمید کی دلچسپیاں اس کی شرارتیں اور رام ندھکی پر اسرار فضاؤں میں پران چڑنے والی یہ کہانی کتنی دلچسپ اور کتنی معزکہ الاراء ہے۔ اس کا فیصلہ بھی آپ ہی کر سکیں گے لیکن میں اتنا کہوں گا کہ این صفحی کے انداز بیان نے اردو میں جاسوئی ناول لکھنے والوں کے لئے ایک نئی طرح ڈالی ہے، جو اپنی مثال آپ ہے۔ جاسوئی ادب میں این صفحی کے معیار پر پہنچنا ایک الجیسے تک شایدی کی سے لئے بھی ممکن نہیں ہوگا۔ وہ قاری کو کہانی کے تابے بنانے میں اس طرح ابجادیتیہ ہیں کہ پڑھنے اس وقت تک ناول ہاتھ سے نہیں چھوڑتا جب تک اسے ختم نہ کر لے۔ پاگل خانے کا قیدی بھی ایسی ہی کہانی ہے، جسے آپ ایک ہی نشست میں پڑھنا پسند کریں گے۔

پبلیشور

ایک سفر

کپارٹمنٹ میں کئی افراد تھے۔ لیکن سب خاموش تھے۔ ٹرین فرائٹ بھر رہی تھی ... کپارٹمنٹ ایئر کنڈیشننگ تھا ورنہ لوگ سکون سے مطالعہ کرنے اور انگھٹے کی بجائے بہت شدت سے بے چین نظر آتے کیونکہ کپارٹمنٹ کے بامپری کا آتش باز سورج اپنی قہر انگیزی کا منظاہرہ کر رہا تھا۔

کپارٹمنٹ میں دو کافی خوبصورت لڑکیاں بھی تھیں۔ اسی لئے کیپٹن حمید پر اختلاج قلب کا دورہ پڑ گیا تھا، جہاں حسن ہو وہاں انعاماً اسے غیر فطری معلوم ہوتا تھا اور کسی غیر فطری ماحول میں جسمانی نظام کا متاثر ہونا ضروری ہے لہذا اس پر اختلاج کا دورہ پڑ گیا۔

فریدی ایک کافی شخصیم کتاب میں سر کپار رہا تھا۔ مطالعہ میں اشہاک اور چیز ہے لیکن اس کے انداز سے تو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے واپسی لاہوری کے وسیع کمرے میں تنہا بیٹھا ہو۔ سگار سلاگاتے وقت بھی اس کی نظر کتاب ہی پر ہوتی تھی۔ یہ کسی جمن مصنف کی تصنیف جمن ہی زبان میں تھی۔

فریدی کپارٹمنٹ میں بیٹھے ہوئے تمام افراد سے مختلف نظر آ رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ دوسرے لوگ بار بار اسے دیکھتے تھے۔ لوگوں کے دیکھنے پر تو حمید کو کوئی اعتراض نہ تھا۔ لیکن وہ لڑکیاں ... دونوں فریدی میں بہت زیادہ دلچسپی لے رہی تھیں۔ دلچسپی لینے کی بات ہی تھی کیونکہ فریدی ایک بار بھی ان کی طرف متوجہ نہیں ہوا تھا۔ ہر وہ انو جوان ایسی لڑکیوں کیلئے عجبہ ہو گا، جو انہیں نظر انداز کر کے اس طرح مطالعہ میں مشغول ہو جائے کہ ایک آدھ بار نظر وہ کا تصادم بھی نہ ہو سکے۔ ویسے وہ لڑکیاں حقیقتاً اتنی ہی پرکشش تھیں کہ ایک عمر آدمی دروس کا بہانہ کر کے بابا آہیں بھر رہا تھا اور انہیں اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے کبھی کبھی بڑا نہ بھی لگتا تھا۔

لڑکیوں کے ساتھ بھی ایک عمر آدمی تھا۔ اس کی آنکھیں وضدیلی تھیں۔ لیکن پھر

بھی ان سے متریخ ہوتا تھا کہ وہ بہت ذہین اور پڑھا لکھا آدمی ہے۔ چھر اپنے پوی اور ڈاؤھی موچھوں سے بے نیاز تھا۔ پیشائی اونچی اور بہت کشادہ۔ سر پر رف کے سے شفاف بال جن کی تعداد پر شامد عمر کی زیادتی بھی اثر انداز نہیں ہو سکتی تھی۔

مجموعی طور پر اس کا چھرہ نرم ول شفیق آدمیوں کا ساتھا۔

اس نے بھی اکثر فریدی کے انہاں کو توجہ اور دلچسپی کی نظر سے دیکھا تھا۔ حمید اس پر اور زیادہ کتابب ہوا تھا... لیکن... اس وقت اسے کچھ سو جھوٹی نہیں رہا تھا۔ لوگ اس کی طرف عموماً اسی وقت متوجہ ہوتے تھے، جب وہ اپنے مخصوص انداز میں بولنا شروع کرتا تھا اور فریدی کی شخصیت ایسی تھی کہ وہ سرے اسے ہر حال میں دوبارہ دیکھنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔

حمد سوچنے لگا کہ اب اسے زرد قی بوڑھے سے جان پچان پیدا کرنی چاہئے، لیکن فی الحال کری طرق نہیں سو جھوڑا تھا۔ اس نے فریدی کی طرف دیکھ کر ایک ٹھنڈی سی سانس لی اوپھر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ وہ بہت شدت سے بور ہو رہا تھا۔ وہ پندرہ منٹ بھی خاموش رہنا پسند نہیں کرتا تھا، چہ جا نیکہ متواتر چار گھنٹے۔ اسے چار گھنٹے چار سال معلوم ہوئے تھے۔ چار گھنٹے سے اس نے زبان نہیں کھولی تھی اور آب قریب ہی تھا کہ اکتا ہٹ دروس میں تبدیل ہو جائے، اچانک اس کی نظر ایک رومال پر پڑی، جو با تھروم کے قریب فرش پر ہوا تھا۔ یہ رومال حمید نے اس بوڑھے کے ہاتھ میں دیکھا تھا جوڑ کیوں کے ساتھ تھا۔

وہ اٹھ کر با تھروم کی طرف گیا اور رومال اٹھا کر رڑ کیوں کی سیٹ کی طرف بڑھا۔

”یہ رومال شامد آپ کا ہے۔“ حمید نے بوڑھے سے کہا۔

”اوہ... جی ہاں... شکریہ!“ بوڑھا اور مال لیتا ہو مسکرا یا اور پھر آہستہ سے بولا۔“

آپ شامد ان صاحب کے ساتھ ہیں۔“

”جی ہاں! وہ بڑے بھائی ہیں میرے۔“ حمید نے مغموم لجھے میں کہا۔ ”جیٹھے۔“

بُوڑھا ایک طرف کھلکھلتا ہوا بولا۔ ”وہ تو بے تحاشہ پڑھنے والوں میں سے معلوم ہوتے ہیں۔“

”شگریہ، محمد بیٹھتا ہوا بولا۔“ جی ہاں! بظاہر ایسا ہی ہے۔“
”بظاہر۔“ بُوڑھے نے وہ رایا۔

لڑکیاں خاموشی ہو گئیں۔ شامدودہ ان کی گفتگو سننے لگی گھیں۔
”جی ہاں! کوئی خاص بات نہیں!“ محمد نے تھنڈی سانس لے کیا۔ اس کی آواز حد درجہ غمناک ہو گئی تھی۔

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھ سکا،“ بُوڑھے نے دچپی کا اندازہ کیا۔

”ایک بہت بڑی بد نسبی چناب۔ وہ ایک جرم من مصنف کی کتاب ہے۔“

”ہاں ہے تو... میں نے با تھروم کی طرف جاتے وقت دیکھا تھا۔“ لیکن وہ جرم کی نہیں جانتے۔“ محمد نے کہا۔

”یا بات ہوئی... وہ...“ بُوڑھا ہستے لگا۔ لڑکیاں بھی مسکرا گئیں۔ محمد نے دیکھا کہ بات نہیں بنتی تو وہ بوکھلا کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا فریدی اس وقت کتاب کو چہرے کے برابر اٹھائے دیکھ رہا تھا اور کتاب اٹھی تھی شامدودہ کوئی چارٹ تھا جسے وہ والٹ کر دیکھ رہا تھا۔

”وہ دیکھے!“ محمد نے جلدی سے بولا۔ ”کیا کتاب اٹھی نہیں ہے۔“

”آ... ہا... محمد آہستہ سے بولا۔“ وہ لوگوں پر رعب ڈالنے کے لئے ایسا نہیں کرتے۔“

اتھے میں فریدی نے چارٹ دیکھ کر کتاب پھر زانوپر رکھلی۔

”مگر...“ محمد آہستہ سے بولا۔ ”وہ لوگوں پر رعب ڈالنے کے لئے ایسا نہیں کر کہا۔“

”آپ غلط سمجھے ہیں۔ وہ جامل نہیں ہیں۔ آس فورڈ سے ایم۔ اے کیا تھا۔ یہی کہا

تحا میں نے کہ یہ ایک بہت بڑی بد نصیبی ہے۔“

”کیا بد نصیبی ہے!“ بوڑھے نے اکھڑے ہوئے لجھے میں پوچھا۔

”یہ پاگل ہیں،“ حمید نے گلوگیر آواز میں کہا اور اپنی بھیکی ہوئی آنکھیں خشک کرنے لگا۔

”کیا مطلب!“ بوڑھا حمید کو گھورتا ہوا بولا۔“ اور آپ انہیں اس طرح لئے پھر رہے ہیں۔“

”آپ مطمئن رہیں۔ یہ اس تم کے پاگل نہیں ہیں کہ دوسروں کے لئے درود
بنیں۔ یہ صرف اپنے لئے خطناک ہیں۔“

”وہ کیسے!“ بوڑھا پھر وچھپی لینے کا تھا اور لوگیاں بھی آپس کی گفتگو بند کر کے بوڑھے کے شانے پر جھک آئی تھی۔

”ابھی اور اسی وقت!“ حمید آہستہ سے بولا۔“ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ یہ اٹھ کر کوٹ پہنیں، چھڑی اٹھائیں اور چلتی ہوئی ٹرین سے اس طرح نکل جائیں جیسے اپنے کمرے سے نکل کر ٹھیلنے جا رہے ہوں۔“

”اوہ...!“ بوڑھا سر ہلا کر وہ گیا پھر حمید کی طرف دیکھ کر بولا۔“ دوسروں سے جھکڑتے تو نہیں۔“

”نہیں جناب! وہ کسی سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتے۔ جھگڑنا کیما!“

”گھروں کے ساتھ بر تاؤ کیما ہے!“ بوڑھے نے پوچھا۔

”کسی سے کوئی غرض ہی نہیں رکھتے۔ جرم ان اور فرانسیسی زبانوں سے عشق ہے۔
ہر ماہ سینکڑوں روپے کی کتابیں خریدتے ہیں، لیکن انہیں اسی طرح لئے بیٹھے صفحات
الٹا کرتے ہیں۔“

”دیکھا تم نے!“ بوڑھا لڑکیوں کی طرف مرکز کر بولا۔“ یہ صاحزادے مجھے
بیوقوف بنانے کی کوشش کر رہے ہے۔“

”لا حول ولا قوّة!“ حمید نے بر اسمانہ بنا کر اٹھتے ہوئے کہا ”بزرگوں نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ مسافرت میں اجنبیوں سے گفتگو کرنے میں دولت و عزت کا زیان ہوتا ہے۔“

”بیٹھو! بیٹھو! بیٹھو!“ بوزھا اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھاتا ہوا بولا ”میں گرہ کٹ نہیں ہوں، اس لئے دولت کے زیان کا خطرہ نہیں۔ عزت اس لئے خطرے میں نہیں کہ میں نے تمہیں گالیاں نہیں دیں۔ میں کہاں پڑھتے ہوں... کسی ائیر میں...!“

”میں اب کسی بات کا جواب نہ دوں گا۔“ حمید: چھپھلانے ہوئے بجھ میں بولا۔

”مجھ سے بہتر میر ابھائی ہے، جو بھی کسی سے گفتگو نہیں کرتا۔“

”کیا تمہارے بیان میں صداقت تھی؟“

”نہیں میں جھونٹا ہوں اور اس مسئلے پر کوئی گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔“

”میں مذاق سمجھاتا۔“ بوزھے نے سنجیدگی سے کہا۔ ”مجھے ان کے حالات بتاؤ۔ لوگ مجھے ڈنی امراض کا اسپیشلیست کہتے ہیں۔ تم لوگ شامدرام گلڈھ جا رہے ہو۔“

”ہاں ہم وہیں جا رہے ہیں۔“ حمید نے کہا۔

”کس غرض سے؟“

علاج کے علاوہ اور کیا غرض ہو سکتی ہے۔ ویسے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ گرمیاں کذار نے کے لئے رام گلڈھ سے زیادہ بہتر اور کوئی جگہ نہیں ہو سکتی۔“

”ہاں... آں... میں حالات معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ ممکن ہے کچھ مدد کر سکوں۔“

”حالات...“ حمید نے لڑکیوں کی طرف دیکھ کر ایک طویل سانس لی۔ ”میں بتا سکتا ہوں، لیکن آپ وعدہ سمجھئے کہ میرا مذاق نہیں اڑائیے گا۔ ابھی ابھی آپ نے مجھے خوانخواہ شرمندہ کرنے کی کوشش کی تھی۔“

”اوہو! اسے بھول جاؤ میاں لڑکے۔ میں بھی غلطی پر نہیں تھا۔ آج کا طالب علموں میں دوسروں کو بیوقوف بنانے کا مرض عام ہے حالانکہ یہ بھی ایک قسم کا پھر پھورا پن

ہے۔ بچوں کی سی عادت... خود نمائی کا خبط... ہاں تم تم مجھے بتاؤ۔“

”کیا عرض کروں بچپن ہی سے گم سم رہتے آئے ہیں اور ان کی حالت تو آپ کے سامنے ہے۔ حالات مضمکہ نہیں ہیں۔ مثلاً رات کو پہلی کرتے چھٹری کو ستر پڑال کر لحاف اوڑھا دیا اور خود جا کر چھٹری کی جگہ کرنے میں لھڑے ہو گئے... دیکھئے... آپ لوگ نہ سمجھتے ہیں نا... لا حول ولا قوۃ۔“

حمدید بر اسامنہ بنا کر خاموش ہو گیا۔ لٹکیاں واقعی نہ سمجھیں۔ ”ہو سکتا ہے...“ ”بُوڑھا سر ہلا کر بولا۔“ ویسے اس نام کی باقاعدہ پہنچی تو ضرور آئے گی۔ میں تمہیں جھونٹانیں سمجھتا... ہاں اچھا... عام حالات میں یادو اشت کی لیا کیفیت ہے۔“

”ادھار لیتے ہیں۔ لفظ ادھار یا درہتا ہے۔ لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ لیا تھایا دیا تھا۔ لہذا کم از کم گھروالے تو انہیں قرض دیتے ہوئے گھبراتے ہیں۔ ان بیچاروں کو قرض دے کر عموماً پیشان ہونا پڑتا ہے کیونکہ یہ زبردستی اتنی رقم پھر کسی موقع پر وصول کر لیتے ہیں کہ تم نے تلاں دون بھجے سے قرض لیا تھا۔ اب واپس کرو۔“

”واقعی عجیب کیس ہے۔“ بُوڑھے نے تشویش آمیز لمحے میں کہا۔ ”شادی ہو گئی ہے۔“

اچھا ہی ہوا کہابھی تک نہیں ہو سکی۔“

”خواہش کرتے ہیں۔“ بُوڑھے نے پوچھا۔

”نہیں۔ مجھے سے کہتے ہیں کہاب تم شادی کرلو۔“

”بُوڑھا تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔“ میرا خیال ہے کہ وہ بالکل ٹھیک ہیں۔ گھروالوں کو بیوقوف بنارہے ہیں۔“

”ہائیں! کمال کرتے ہیں آپ بھی۔ بچپن سے اب تک بیوقوف ہی بناتے آرہے ہیں۔“

”بچپن کی حالات پر یہاں کن تھے۔ والد حاصل کے ساتھ بازار گئے اور اچاک

والد صاحب کو احساس ہوا کہ وہ ان کے ساتھ نہیں ہیں۔ ہوا یہ تھا کہ کسی دوسرے کے ساتھ اس کے گھر پہنچ جاتے تھے۔ کھانے بیٹھتے تو سالم کے بجائے روٹیوں سے چاول کی پلیٹ صاف کر گئے۔ مارپیڑی تو ہستے ہستے بیدم ہو گئے۔“

”اور اس کے باوجود بھی تم کہتے ہو کہ انہوں نے ایم اے کیا ہے۔“

”یہی تو خاص بات ہے جناب! ڈاکٹروں کی عقل چکر رین ہے۔ ایک صاحب ان کو بائیکوں نیلیں کرنے بیٹھتے تھے۔ وہ تھپٹر پر اتنا کہ آج تک یاد کرتے ہوں گے۔“

”تھپٹر!“ ایک لڑکی نے حیرت سے دہرا دیا۔

”جی ہاں! میں نہیں جانتا کہ اس طریقے کا کیا قائم ہے۔ بحال ماہر نفیات نے اس سے کہا کہ وہ لفظ کہے گا اور بھائی صاحب اس کے جواب میں دوسر الفاظ کہیں گے۔“

”اوہ... اچھا اچھا!“ بوڑھے نے سر ہلا کیا۔

”جی ہاں... ماہر نفیات نے پہلا لفظ ازار بند کیا۔ بھائی صاحب بولے آؤٹ آف ڈیٹ۔ اس نے کھائیل پاش۔ آپ نے فرمایا چھپھوندر... پتھر نہیں اور کیا کیا اوٹ پٹا گنگ چلتی رہی۔ آخر میں ماہر نفیات نے کھا گالی۔ آپ نے تھپٹر کہہ کر باتھ گھما دیا۔“

لڑکیاں نہ پڑیں اور بوڑھا بیوی۔ ”وہ کوئی عطا لی رہا ہو گا۔ اس کیس کے لئے یہ طریقہ نعموں ہے ویسے کیس دلچسپ اور انوکھا ہے۔ آپ رام گذھ میں کھاٹھبریں گے۔

”کسی ہوٹل میں۔“

”مجھے خوشی ہو گی اگر آپ میرے ساتھ قیام کریں۔“ اس نے فریدی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، جو سوقت بھی کتاب کو الٹ کر اپنے چہرے کے برابر اٹھائے

ہوئے تھا۔ ”یہ کیس میرے لیے بہت دلچسپ ہے۔ اس طرح میرے تجربے میں بھی اضافہ ہوگا۔“

”مگر... میں کیسے عرض کر سکتا ہوں۔ انہیں اس پر رضا مند کر لینا آسان کام نہ ہوگا۔“

”کیوں انہیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔“
حمدید کچھ سوچنے لگا۔ اس نے یہ کو اس محض اس لئے شروع کی تھی کہ کیوں کو کچھ دیر ہنسانے کے بعد ان سے بے تکلف ہو جائے گا، لیکن حالات نے سنجیدگی اختیار کر لی۔ اچانک اس نے بوڑھے سے پوچھا۔ ”آپ کا ذاتی ہسپتال بھی ہے۔“

”ذاتی ہسپتال بھی ہے اور میں مرکاری مغل ہسپتال کے میڈیکل بورڈ کا چیئرمین بھی ہوں۔“

حمدید پھر کچھ سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔

”مگر جنما... میں ابھی کوئی واضح جواب نہیں دے سکتا۔“

”دیکھئے گا! اگر ہو سکتے تو! یہ اس میں آپ ہی فائدہ ہے۔“ کہاں تو حمید اس چکر میں تھا کہ کچھ تفریح حاصل کرے گا اور کہاں اب اسے خلجان میں بیٹلا ہوتا پڑا۔ بات ایسی ہی تھی۔ اگر وہ بوڑھا واقعی مغل ہسپتال کے میڈیکل بورڈ کا چیئرمین میں تھا تو فریدی سے رام گذھ میں اس کی ملاقات یقینی تھی کیونکہ فریدی جس کام کے لئے رام گذھ جا رہا تھا وہ وہاں کے پاگل خانے ہی سے تعلق رکھتا تھا حالانکہ حمید کو اس نے تفصیل نہیں بتائی تھی مگر پھر بھی وہ اس سے تو واقف ہی تھا کہ پروگرام میں پاگل خانہ بھی شامل ہے۔

لڑکیاں پھر گفتگو میں مشغول ہو گئی تھیں، لیکن بار بار ان کی نظریں فریدی کی طرف ضرور راحیتی تھیں، اور شاہزادہ موضوع گفتگو بھی فریدی ہی تھا۔

بوڑھا بڑا رہا تھا۔ ”واقعی یہ کیس دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔“

حمدید کچھ نہ بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس سلسلے میں اس کی جو جماعت بننے والی ہے اس کا ذمہ دار وہ خود ہی ہو گا۔



تمکن ریو والور

حہوڑی دیر بعد وہ پھر فریدی کے پاس جا بیٹھا اور ایسی ممکین صورت بنائی جیسے کمنی ہی میں والدین کے ساتھ سے محروم ہو گیا ہو۔
ساری تفریح کر کری ہو گرہ گئی تھی اور اب وہ سوچ رہا تھا کہ کس طرح معاملات کو بر امداد کرے۔

”غالباً اب ٹرین کسی اسٹیشن پر نہ کرنے والی ہے۔“ فریدی کتاب پر نظر جماعت ہوئے بڑا بڑا یا۔ ”کافی کے لئے ہے وینا۔“
”نہیں ڈائینگ کار میں چلیں گے۔“ حمید نے آہستہ سے کہا۔
”اس کی کیا ضرورت ہے۔“
”بس یونہی دل چاہتا ہے۔“

”غیر ضروری حرکتوں سے احترام کیا کرو۔“
”یہ میری ضد ہے۔ آپ کبھی میرا کہنا نہیں کرتے۔ آپ کو چلنا ہی پڑے گا۔“
”آہا۔ کری خاص بات...“

”بس اٹھیئے! ٹرین رک رہی ہے۔“

”اگر لوگ گئی تو۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”آپ کے بد لے میں مر جاؤں گا۔ بس!“

فریدی نے کتاب بند کر کے رکھ دی۔ لیکن اڑ کیوں کو یہ دیکھ کر مایوسی ہوئی کہ وہ اب تھی ان کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔ البتہ بوڑھے سے دو ایک بار نظر ملیں۔ اور پھر وہ حمید سے بولا۔ ”چلو! پتہ نہیں کیوں اور کرنا چاہتے ہو۔“

کاڑی ایک اسٹیشن پر رکی تھی۔ وہ دونوں کمپارٹمنٹ سے اتر کر ڈائینگ کار میں جا بیٹھے۔

”ہاں! کیوں لانے ہو یہاں۔“ فریدی نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

”آپ جانتے ہیں کہ میں بالکل کدھا ہوں۔“

”میرے جانے نہ جانے سے کیا ہوتا ہے۔“

”میں ہمیشہ غلطیاں کرتا رہا ہوں۔“

”نہیں ہمیشہ تو نہیں۔ تم کہنا کیا چاہتے ہو۔“

”میرے بھریے بتاتا ہوں۔“ حمید نے کہا اور ویٹر کی طرف متوجہ ہو گیا۔ کافی کا آرڈر دینے کے بعد وہ پھر بولا۔ ”آپ کی عزت میرے ہاتھ میں ہے۔“

”میری عزت! کیا مطلب؟“

”اوہ... معاف کیجئے گا۔ میں بہت زیادہ کتفیوں ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ میری عزت آپ کے ہاتھ میں ہیں۔ بلکہ دونوں کی عزت سمجھ میں نہیں آتا کہ کس کے ہاتھ میں ہیں۔ لہس یہ سمجھ لجھئے کہ آپ کی ہاں یا نہیں پر دونوں کی عزتوں میرا خیال ہے کہ یہاں ڈائینگ کار میں اس وقت کوئی عورت بھی موجود نہیں ہے پھر کیوں تم میرا وقت بر باد کر رہے ہو۔“

”اچھا تو سنئے! اگر آپ پا گل ہیں تو میرے کا بھی معقول انتظام ہو۔“

”میں جا رہا ہوں۔“ فریڈی اٹھتا ہوا بولا۔ لیکن ٹرین حرکت میں آچکی تھی۔ مجبوراً اسے پھر بیٹھ جانا پڑا۔

”مجھے سے ایک حماقت ہو گئی ہے۔“ حمید نے ب سور کر کہا۔

”ارے بکو بھی کچھ۔“

”معاف کرنے سے پہلے گلا گھونٹ دوں گا۔ مجھے بورنہ کرو۔“

”اگر میں کسی سے یہ کہوں کہ آپ کا ڈنی تو ازن بچپن ہی سے بگڑا ہوا ہے تو آپ میرے ساتھ کیا بر تاؤ کریں گے۔“

”میں سچ مج پا گل ہو کر تمہیں گولی مار دوں گا۔“

”میں بہت سنجیدگی سے گفتگو کر رہا ہوں۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ ویٹر نے کافی کیٹرے لا کر میز پر رکھ دی تھی۔ وہ سگار سلکار کر اپنے کئے کافی بنانے لگا۔ پھر وہ آہستہ سے بڑھ لیا۔ ”تم کچھ دیر کے لئے سامنے والی رتھو پر بیٹھے تھے۔“

”جی ہاں! مجھ سی یہ حماقت سرزد ہوئی تھی۔“

”پھر! کیا بات ہے!“

”سچھ نہیں... میں نے ان سے کہا تھا کہ آپ میرے بڑے بھائی ہیں۔“

”اچھا، اب خاموش ہو۔ بھلا اس بھلے میں کون سی الیکٹریکی خاص بات ہے جس کے لئے مجھ سے دادطلب کرنا چاہتے ہو ہے؟ ان باتوں پر تو نہیں آنے سے رہی بلکہ اکثر تو تمہاری عقل پر رونے کو بھی دل نہیں چاہتا۔“

”ہائے پوری بات تو سنئے۔“ حمید کراہ کر بولا... اور پھر اس نے مغموم سی آواز میں پوری داستان دھرا دی۔

فرید مسکرا کر بولا ”چلو پرواہ نہ کرو۔ اگر مجھے تختہ مشق بنا کر تم نے تھوڑی سی تفریح کر لی تو اس میں ہیرا ہرج ہے۔ اب تم اس سے نہایت صفائی سے کہہ سکتے ہو کہ میں ہوٹل کے علاوہ اور کہیں قیام کرنے پر رضامند نہیں۔ بات اس طرح ختم ہر جائے گی۔ تم بھی نرے ڈیوٹ ہو ڈیوٹ۔“

”ہائے!“ حمید پھر کراہا۔ ”یہی تو مصیبت کہ آپ کو اس سے دوبارہ بھی مانا پڑے گا۔ اس وقت میری پوزیشن ہو گی۔“

”مانا پڑے گا! کیا مطلب!“ فریدی اسے گھورنے لگا۔

”وہ مغل ہاپھل کے میدا یکل یورڈ کا چیز ہیں ہے۔“

”کیا؟“ فریدی نے کافی کی پیالی میز پر کھدی۔ حمید اس کی آنکھوں میں ایک عجیب قسم کی چمک دیکھ رہا تھا۔

”ہاں! اس میں قطعی جھوٹ نہیں ہے۔ یہ بھی شامت ہی تھی۔ اگر مجھے معلوم ہوتا

”ماں گو! کیا مانگتے ہو فرزند!“ فریدی کی آنکھوں میں شرارت ناج رہی تھی۔

”والپسی کا کرایہ۔“ محمد زکلو گیر آواز میں کہا۔

”ایک بار پھر کہنا پڑتا ہے کہ بعض اوقات تمہاری حماقت بہت کار آمد ثابت ہوتی ہیں۔“

”ہائیں تو کیا معاشرہ ٹھیک ہے!“

”بالکل ٹھیک ہے محمد صاحب! اس وقت تو گوئیا غیب سے مد نہ ہوتی ہے۔“

”اُرے... وہاں مارا۔“ محمد نے زبردستی ایک روز دار تھقہ لکایا۔

”تو اب مجھ سے اس کا تعارف یہ ہمدرد کر دینا گا کہ آپ والد صاحب کے گھرے دوستوں میں سے ہیں۔“

”اچھا تو کیا... قیام بھی کجھے گا اس کے یہاں۔“

”تمہاری بات تو اسی صورت میں نہیں گی۔“ فریدی نے کہا۔

”تو پھر آپ کو خطیب بھی بننا پڑے گا۔“

”خطیب کیا! میں اس سے زیادہ بھی کچھ بننے کو تیار ہوں۔“

”اور اب مجھے ہرگز یہ نہ بتائیں گے کہ اصل چکر کیا ہے۔“

”مجھے ایک پاگل کے متعلق تحقیقات کرنی ہیں، جو اس سال سے رام گذھ کے منفل ہاپھل میں ہے اور آج سے دس سال قبل میڈیکل بورڈ کے موجودہ چیئرمین نے اس کا داخلہ وہاں کرایا تھا۔“

”تو آپ اس کے متعلق کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں۔“

”میں کیا کہوں! جو کئے وہ کیا جائے۔“

”جو تمہارا دل چاہے کرو۔ میں نے خود کو تمہارے رحم و کرم پر چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔“

”اچھا تو پھر بعد میں مجھ پر تاؤ نہ کھائیے گا۔“

”مطمئن رہو۔“ فریدی نے کہا اور بجھا ہوا سگار سلاگانے لگا۔ کچھ دیر خاموشی سے سگار کا دھواں بکھیرتا رہا پھر مسکرا کر بولا۔ اس سے پہلے تم کئی بار پاگلوں کے روں ادا کر چکے ہو... خیر ہٹاؤ۔“

”غیرمیں کہتے کہتے،“ محمد جلدی سے بولا۔
”کچھ نہیں۔ وقت بہت بڑا دکراتے ہو۔ کافی دیر تک یہاں بیٹھنا پڑے گا۔ دوسرا اٹیشن آقریا پچاس میل کے فاصلے پر ہے۔“
”آپ کام بن جانے کے بعد بھی مجھ پر روارکھتے رہتے ہیں۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمودی دیر بعد محمدی نے کہا، ”کیا آپ مجھے اس پاگل کے متعلق کچھ نہ بتائیں۔“

”کیا بتاؤں۔ اس سے زیادہ میں بھی نہیں جانتا کہ اس پاگل پر ایک عورت اور اس کی بھی کے انواع کا ازالہ ہے۔“

”اتھی ذرا اسی بات کے لئے کر قل فریدی کو تکلیف دی گئی ہے۔“
”میں نے خود ہی تکلیف کی ہے۔ بھی طور پر...! تم جانتے ہی ہو کہ میں محض تفریح کی خاطر ایک ماہ کی چھٹی ہرگز نہیں لے سکتا۔“

”تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کیس میں پھیڈ گی ضرور ہو گئی۔“

”ہو بھی سکتی ہے اور نہیں بھی۔“

”بہر حال آپ نہیں بتانا چاہتے۔“

”کیا جانا چاہتے ہو!“

”کیا اس کیس سے تعلق رکھنے والے کوئی اہمیت رکھتے ہیں۔“

”ہاں! ہے تو یہی بات! ورنہ... اوہ دیکھو! ٹرین کی رفتار کم ہو رہی ہے۔ یہ کوئی بہت ہی چھوٹا سا اٹیشن ہو گا۔ جلدی کروتا کہ ہم اپنے کمپارٹمنٹ تک پہنچ سکیں۔“

یہاں بڑی تپش ہے۔“

حمد نے کافی کابل ادا کیا۔ ٹرین ایک چھوٹے سے اسٹیشن پر رکی اور دونوں ڈائیننگ کار سے اتر کر اپنے کپارٹمنٹ میں آگئے۔

”ہم یہاں تو نہیں تھے۔“ فریدی چاروں طرف طرف دیکھتا ہوا بڑا بڑا ایسا۔

”یہیں تھے! بھائی صاحب!“ حمید تک آجائے والے انداز میں بولا۔ ”یہ دیکھئے ہمارا سب سامان یہاں موجود ہے۔“

”بکواس!“ فریدی نے جملے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”کیا ساری دنیا میں ہمارا ہی سامان ایسا ہو سکتا ہے۔“

”نہیں بھائی صاحب! آپ کی یہ کتاب۔“ حمید نے برتحہ پر سے کتاب اٹھا کر فریدی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

”آہا... ٹھیک... ہم یہیں تھے۔ عام آدمی جرم کن زبان سے دچپی نہیں رکھتے۔“

فریدی برتحہ پر بیٹھ گیا۔ دوسروں سے مسافر انہیں گھور رہے تھے لیکن بوڑھے کا انداز دوسروں سے مختلف تھا۔

فریدی نے پھر کتاب اٹھا لی۔ بوڑھا اب حمید کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

حکوڑی دیر بعد فریدی پھر پہلے ہی کی طرح مطالعہ میں گم ہو گیا۔

حمد اس کے پاس سے اٹھ کر بوڑھے کے پاس جا بیٹھا۔

”کیوں!“ بوڑھے نے پوچھا۔ ”کیا آپ تیار ہیں۔“

”کیا عرض کروں میری تو ہمت پڑی نہیں کہنے کی۔ ویسے ایک تجویز ہے... میرے زہن... اف فوہ... میری آنکھیں جل رہی ہیں۔ کہیں لوکا اثر نہ ہو گیا ہو۔“

”جب آپ باہر جا رہے تھے۔ میرا دل چاہا تھا کہ روک دوں۔ ٹھنڈک سے یکخت گرمی میں چلا جانا خطرناک ثابت ہوتا ہے۔ آپ بھی جانتے ہوں گے۔“

”کافی! خدا کی پناہ! اس آب وہا میں۔“

”اب آپ ہی دیکھئے! مجبوراً مجھے بھی پینی پڑی۔ انکار کرتا تو آفت ہی آ جاتی۔ وہ تھیک ہی مثل ہے کہ چھوٹا بھائی سے بہتر ہے کہ اُدمی کتاب ہو جائے۔“

”شراب بھی پیتے ہیں۔“ بُوڑھے نے پوچھا۔
”اس کے تو نام ہی سے نفرت ہے۔ اگر آپ کی زبان سے شراب کا نام ہی سن لیں تو کم از کم اس کلاس میں پانی پسند نہیں کریں گے جسے آپ نے استعمال کیا ہو۔“
”اچھا ہے! ورنہ شراب اور زیادہ خطرناک ثابت ہوتی۔ باں ابھی آپ کون سی تجویز پیش کر رہے تھے؟“

”تجویز یہ ہے کہ آگر آپ مناسب بھخت ہمارے والد صاحب کے دوست بن جائیے اور ہمیں اس رشتے کی بناء پر اپنے یہاں قیام کرنے پر مجبور کیجئے۔ شاید وہ مان جائیں کیونکہ والد صاحب کے دوستوں کا بہت احترام کرتے ہیں۔ ان کا نام کمال ہے اور میں جمال ہوں۔ والد صاحب کے نام کے لئے آپ میرا سرا افضل کا حوالہ دے سکتے ہیں۔“

”سر افضل!“ بُوڑھا بڑا بڑا ہوا۔ ”آپ لوگ کسی اچھے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں“

”نہیں خاندان تو کچھ زیادہ اچھا نہیں ویسے اللہ جسے چاہے عزت دئے جے چاہے ذلت۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”جمولی شیخیاں بگھارنا اپنا مسلک نہیں ہے۔ پشت ہ پشت سے ہم لوگ دولت مند نہیں رہے ہیں۔ ہمارے دادا صاحب انگریزی فوج میں ایک معمولی سے سپاہی تھے۔ ترقی کرتے جزل کے عودے تک پہنچ گئے تھے اور دادا کے باپ ایک معمولی کسان تھے۔“

”تم واقعی بلند خیال اور اعلیٰ کردار کے مالک ہو۔“ بُوڑھا مسکرا کر بولا۔

”بہت کم لوگ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔“

”بہر حال کہنے کا مطلب یہ کہ آپ رام گڑھ کے اشیش پر اچانک ہم دونوں کو پچان لیجئے گا۔ یہاں کمپارٹمنٹ میں نہیں۔ ورنہ بھائی کوشہ ہو جائے گا اور وہ فوراً یہ سوال کر کر بیٹھیں گے کہ آپ نے اتنی دیر میں کیوں پچاڑا... اور ہاں اشیش پر وہ یہ بات بھول چکے ہوں گے کہ ہم سب نے ایک ہی کمپارٹمنٹ پر سفر کیا تھا۔“

”اتنی جلدی بھول جاتے ہیں۔“

”جی ہاں۔ قطعی میرا دعویٰ ہے کہ وہ یہ بھول گئے ہوں گے کہ ابھی ہم دونوں ڈائیننگ کار میں تھے۔ یا ان گروہ کتاب جو جردن یا فرانسیسی میں ہوا سے وہ بھی اور کسی حال میں نہیں بھولتے۔ اکثر کہتے ہیں کہ میں کسی جو من کیا فرانسیسی روکی سے شادی کروں گا، ورنہ نہ میری زندگی تلخ ہو جائے گی۔“

”بھئی یہ کیس انوکھا ہے۔“ بُوڑھا مختار بانہ مدار میں با تھملتا ہوا بولا۔

”ایک بار کا ذکر ہے۔“ حمید کوئی لطیفہ چھیرتے ہی جا رہا تھا کہ اس نے فریدی کو اپنی جگہ سے اٹھتے دیکھا۔

”خدا خیر کرے!“ وہ آہستہ سے بڑا بڑا فریدی پھر بیٹھ گیا۔ وہ مختار بانہ انداز میں چاروں طرف دیکھنے لگا حمید اسکی طرف بڑھا۔

”تم کہاں چلے گئے تھے۔“ فریدی فرمایا۔

”مم... میں... بیٹھیں تو تھا۔“

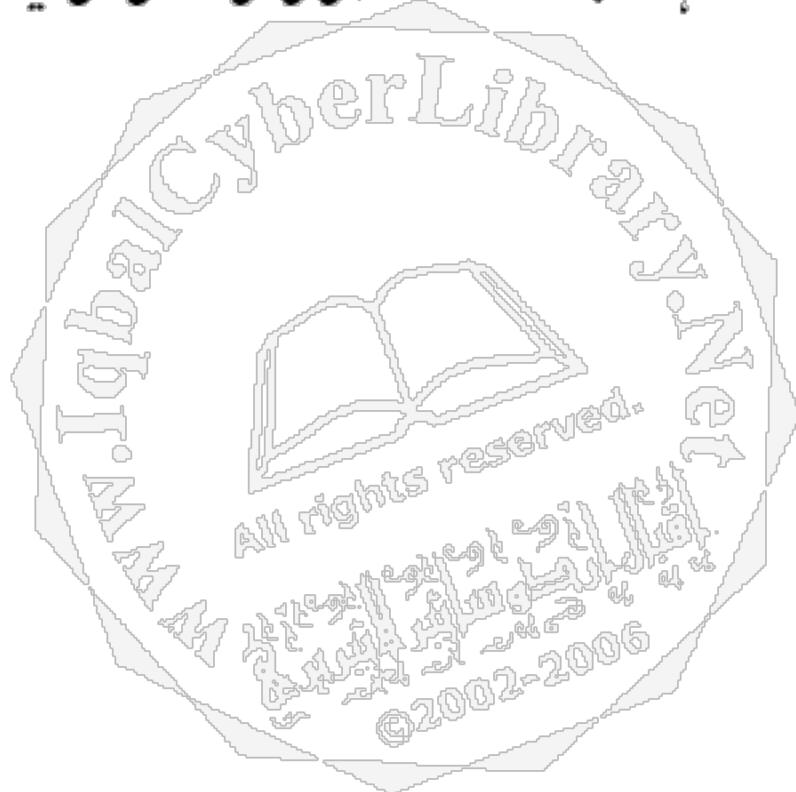
”میری چھڑی کہاں ہے۔“

”چھڑی۔ دیکھنے ہم ٹرین میں ہیں۔“

”آہا... لا حول ولا قوّة... بھئی یہ گاڑی کب پہنچ گی۔“

قبل اس کے حمید کوئی جواب دیتا۔ اس نے کمپارٹمنٹ کے تین آدمیوں کو ریوالور نکالتے ہوئے دیکھا۔

”کوئی اپنی جگہ سے جنبش نہیں کرے گا۔“ ان میں سے ایک نے چیخ کر کہا اور بقیہ لوگ جو نہتے تھے بوکھلا گئے۔ معاملہ کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آیا۔



کار پر فارنگ

فریدی نے مختصر بانہ انداز میں پہلو بدلہ حمید کو تو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اچانک اس کے سامنے کسی جاسوئی ناول کا گولی باب کھل گیا ہوا۔ یہ تینوں آدمی کمپارٹمنٹ اس وقت موجود نہیں تھے جب وہ کافی پینے کے لئے ڈائیننگ کا بکی طرف گئے۔ غالباً ان کے جانے کے بعد ہی وہ کمپارٹمنٹ میں آئے ہوں گے۔

لوگوں کے چہروں پر ہوا یاں اثر رہی تھیں لیکن حمید نے بوڑھے واکٹر کی حالت میں کسی قسم کی بھی تبدیلی محسوس نہ کی۔ وہ نہایت سکون کے ساتھ ان تینوں کو دیکھ رہا تھا۔ البتہ اس کی دونوں لڑکیاں خوفزدہ نظر آرہی تھیں۔

تقریباً آدھے منٹ تک یہی کیفیت رہی۔ پھر اچانک ان تین نے ریواور جیب میں ڈال لئے اور ان میں سے ایک نے نہایت سنجیدگی سے کہنا شروع کیا۔ ”یہ اور اسی قسم کے دوسرے انجانے حادثے... زندگی کا کرنی اعتبار نہیں۔ آپ سفر پر جا رہے ہیں۔ خوش ہیں۔“

لیکن کسی کو غیب کا حال نہیں معلوم۔ کوئی نہیں جانتا کہ اس کی موت کب اور کس طرح آجائے۔ یہ ٹرین کسی دوسری ٹرین سے لے سکتی ہے۔ گاڑی پر ڈوکوؤں کا حملہ ہو سکتا ہے۔ پھر... کیا ہو گا۔ عقل مند ہی ہے جو آج ہی کل کا بندوبست کر لے۔ کل کا بندوبست یہ ہے کہ آپ کے بعد آپ کے پچھے کسی پریشانی کا شکار نہ ہوں۔“ ”میں اپنی زندگی کا بیمه نہیں کراؤں گا۔“ حمید اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھوٹس کر چیخنا۔

اور وہ آدمی خاموش ہو گیا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر نہس کر بولا۔ ”حضرت نوح کا لڑکا نطفوں سے بچنے کے لئے درخت پر چڑھ گیا تھا۔ ہاں تو صاحبان۔ اپنی زندگی کا بیمه کرانا بھولئے... اور زرینڈ لاکف انشور نس کمپنی کو ہمیشہ یاد رکھیئے۔ ہزاروں آسانیاں... سینکڑوں کناغیتیں اور کفالتیں...!“

اس نے جیب سے گرینڈ لائل انسورنس کمپنی کا لڑپچر نکال کر کپارٹمنٹ میں تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ لوگوں کو غصہ تو بہت آ رہا تھا لیکن افسیاتی طور پر وہ ایک طرح کی سرو رانگیز طہرانیت بھی محسوس کر رہے تھے لیکن کہاں بھی ابھی وہ گویا موت کے منہ سے واپس آئے تھے۔

بوڑھے ڈاکٹر نے لڑپچر نہیں لیا۔ حمید نے بھی انکار دیا۔ لیکن فریدی اسکا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھاتا ہوا بولا۔ ”بیٹھ جاؤ... کیا تم اپنی زندگی کا بیمه کر رکھے ہو۔“

”قطعی... سو فیصد بھی... میں ہی نہ کراؤں گا۔“

”اگر تم مرجاو... تو تمہارے بچوں کی مالی حالت خراب نہ ہوگی... کیوں؟“

”قطعی۔ مالی اعتبار سے ان کی حالت بہتر ہی رہے گی۔“

”تو گیا تم سکون سے مر سکتے ہو۔“

”جی ہاں۔ ابھی مرتے وقت اب کوئی پریشانی نہیں ہو سکتی۔“

”تو پھر اب زندہ رہ کر کیا کرو گے؟“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا اور اس کے دونوں ہاتھ اس کی گردن کی طرف بڑھ گئے۔

”اے... اے...“ وہ ایک طرف کھک کر کھڑا ہو گیا۔

”نہیں! اب تمہاری زندگی بیکار ہے۔“ فریدی بھی اٹھتا ہوا بولا۔ اسکی آنکھوں سے درندگی جھانکنے لگی۔ ہونٹ بھینچنے ہوئے تھے اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس پر سچ مچ خون سوار ہو۔

”کیا بات ہے! کیا معااملہ ہے!“ اس کے دونوں ساتھی چیختے ہوئے لپکے۔

”اس کی زندگی کا بیمه کرنے جا رہا ہوں۔“ فریدی غرایا۔ ”اگر تمہیں اپنے بال بچوں کی مالی حالت درست کرائی ہو تو تم بھی آؤ۔“

”فریدی نے اس کی گردن پکڑ لی اور کپارٹمنٹ میں خاصی ہڑبوگ مچ گئی۔ اس کے ساتھوں کے علاوہ دوسرے لوگ بھی درڑ پڑے لیکن ڈاکٹر بدستور اپنی جگہ پر جما

رہا اور اس کے ہوٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

بہر حال اس کا گلائیں گھونٹ سکا لوگوں نے اسے الگ کر دیا تھا۔ اور بیمہ کمپنی کا لڑپر تقسیم کرنے والا دور کھڑا اپنی گردان سہلا رہا تھا

حمدید اس کا شانہ چلتا ہوا بولا۔ ”پروانہ کر و تم لوگوں کا طریقہ بہت انوکھا ہے۔“

”جی ہاں جناب!“ وہ ایک طویل سانس لے کر اپنا گلا صاف کرنے لگا۔

پھر بولا ”اور خطرناک بھی ہے۔ بعض اوقات لوگ بہت بری طرح پیش آتے ہیں۔“

”لیکن یہ طریقہ... غیر قانونی ہے۔“

”ریوالری ہیں جناب اور پھر ہماری نیت یہیں فتور نہیں ہے۔ لوگ عموماً ہمیں معاف ہی کر دیتے ہیں۔“

”مگر یہ طریقہ۔“ حمید کچھ سوچنے لگا۔

”اس طرح لوگ ہمیشہ ہمیں یا درکھتے ہیں اور جب وہ اپنی زندگی کا بیمہ کرانے کا ارادہ کرتے ہیں تو انہیں لاکف انشوئنس کمپنی ضرور یاد آتی ہے۔ ہمارا طریقہ ابھی تک پچانوے نیصد ہی کامیاب رہا ہے۔ اس طرح ہم سچ مجھ انہیں انجانے حادثات کے امکانات پر غور کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ حمید نے فریدی کی طرف دیکھا جو پھر اپنی کتاب میں ڈوب گیا تھا اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ شروع سے اب تک اپنی جگہ سے ہلا بھی نہ ہو۔ ڈاکٹر کی تمام توجہ فریدی ہی کی طرف تھی اور وہ دونوں لڑکیاں بھی حمید کے دل پر چوتھی لگی۔

ٹرین کی رفتار پھرست ہونے لگی تھی۔ حمید ڈاکٹر کے پاس جای بیٹھا۔

”آن لوگوں کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟“

”مخترے ہیں! لیکن آپ کو یہ سن کر حیرت ہو گی کہ میں نے پہلی بار انہیں رام گذھ کی رویے لائیں پر دیکھا ہے اور آج تک اس قسم کے بیمہ ایجنٹوں کے متعلق کچھ سننے کا بھی اتفاق نہیں ہوا۔ مگر آپ کے بھائی صاحب اس سے کیوں الجھ پڑے

حمد نہ کر بولا۔ ”ارے وہ تو بس یونہی۔ اس سے کہنے لگے تم نے اپنی زندگی کا
بیمه کرا لیا ہے۔ اس نے کہا جی بان۔ آپ بولے پھر اب تمہیں مر جانا چاہئے تاکہ
تمہارے بچے مالی فائدہ حاصل کر سکیں۔“

لڑکیاں ہٹنے لگیں اور بوڑھا بھی مسکرا یا۔

”بھئی مجھے شہر ہے، یوڑھے نے جھوڑی دیر بعد کہا۔

”کس بات پر!“

”آن کی دماغی حالت۔ مجھے خراب نہیں معلوم ہوتی۔ بہر حال میں دیکھوں گا۔“

”کیوں آپ کو شہر کیوں ہے؟“

”ایک لمبی بحث ہے! تم اکتا جاؤ گے۔ آخر آپ نے میرے ساتھ قیام کرو تو...“

”تمہارے اس سوال کا مطلب میں نہیں سمجھا۔“

”ہو سکتا ہے کہ لوگ فراڈ ہوں۔ ہماری پیشانی پر تو یہ بات لکھی نہیں ہے کہ ہم جو
کچھ بھی مہد رہے ہیں حق کہہ رہے ہیں اور ابھی آپ شہر ظاہر کر رہے تھے۔“

”برخوردار۔ تم غلط سمجھے۔ میرا یہ مقصد نہیں تھا کہ تم جھوٹے ہو بعض اوقات لوگ
کسی اچھے خاصے آدمی کو بھی پا گل سمجھ لیتے ہیں۔ حالانکہ بات صرف اتنی سی ہوتی
ہے کہ ہر عام آدمیوں سے ڈنی طور پر مختلف ہوتا ہے۔“

”مختلف ہونا ہی تو پا گل پن ہے۔“ محمد نے کہا۔

”ہرگز نہیں۔ مختلف ہونا پا گل پن نہیں ہو سکتا۔ ضروری نہیں کہ جو چیز میٹھی نہ ہو وہ
کڑوی ہوگی... ترش بھی ہو سکتی ہے... نمکین بھی اور پھیکی بھی۔ میں اگر یہ کہوں کہ
تم عام آدمیوں سے مختلف ہو تو اس کا مطلب یہ نہ ہو گا کہ تمہارے سر پر سینگ ہیں۔
یا تم ایک عدومند کے مالک ہو یا آدمی ہی نہیں ہو۔“

”میں سمجھ گیا! آپ بالکل ٹھیک فرمائے ہے ہیں لیکن آخر یا اختلاف کس قسم کا ہو سکتا

ہے۔"

"میں دیکھنا اور سمجھنا پڑے گا۔ تم کہہ رہے ہو کہ یادداشت بھی کمزور ہے اس لئے ان کا معاشرے کے بغیر میں قطع طور پر کچھ نہیں کر سکتا۔"

ٹرین پھر ایک آنٹش پر رک گئی۔ اب پیاریوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور رام گذھ کے پیار، بہت دودھند میں لپٹے ہوئے نظر آرہے تھے۔

بیمه کمپنی کے ایجنت کپارٹمنٹ سے جا چکے تھے۔

"یہ لوگ بھی عجیب تھے۔" حمید نے پچھا دیا پھر بعد کہا۔ "مگر جناب! اس وقت اپورے کپارٹمنٹ میں صرف آپ ہی محض منظر آرہے تھے ایسا معلوم ہوا تھا جیسے اسے مذاق ہی سمجھے ہوں۔"

"میں بھی تمہاری تعریف ہی کروں گا۔" بوڑھے نے کہا۔ "کیونکہ تمہیں اتنا ہوش تھا کہ میری ولی کیفیات کا اندازہ کر سکو! کیوں کیسی رہی؟"

"ٹھیک ہی رہی! مجھے بچپن ہی سے رواں اور مضکدہ خیز معلوم ہوتے رہے ہیں۔" حمید نے لاپرواں سے کہا۔

"اوہ! تب مجھے تمہارا بھی نفیاٹی تجزیہ کرنا پڑے گا۔"

"نفیاٹی تجزیہ... حمید آہستہ سے بڑا بڑا یا۔" لاحول ولاقوة۔

"کیوں لاحول پڑھ رہے ہو۔"

"میں ابھی تک اسے تجزیاتی تفسیر بولتا رہا ہوں۔ اب شرم آ رہی ہے۔ ان لوگوں نے مجھے جاہل ہی سمجھا ہو گا جن کے سامنے اب تک یہ لفظ وہرا تاربا ہوں۔ بہتری چیزیں مجھے غلط ناموں سے یاد آتی ہیں۔"

"کوئی بات نہیں! تمہارا بھی علاج ہو جائے گا۔" بوڑھا مسکرانے لگا۔

"میرے خدا کیا خاندان بھر پا گل ہے۔" حمید بے بسی سے بولا۔

لڑکیاں بھی ہٹنے لگیں۔ حمید محسوس کر رہا تھا کہ ان میں سے ایک کچھ کہنے کے لئے

بیقرار ہے۔

ٹرین پھر چل پڑی تھی۔ اب مناظر تبدیل ہو گئے تھے۔ سورج مغربی افق میں جھک رہا تھا۔ اور چاروں طرف سر ببر پہاڑیاں بکھری ہوئی تھیں جیسا دیکھنے والی گرمی لطیف سی تھی میں تبدیل ہو گئی تھی۔ اب کمپارٹمنٹ کی کھڑکیاں بھی بند نہیں تھیں۔

یک بیگ فریدی پھر کھڑا ہو گیا۔ وہ کچھ مضطرب سانظر آ رہا تھا۔ حمید اٹھ کر اس کی طرف جھپٹا۔ فریدی بلند آواز میں بول رہا تھا۔ لیکن انداز سے یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ وہ دوسروں کو اپنی آواز سانے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر خلا میں گھوتا ہوا کہہ رہا تھا۔ ”وہ تھیک کہہ رہا تھا مجھے ابھی اور اسی وقت اپنی زندگی کا بیمه کر لینا چاہیے۔“

”اس وقت تو ناممکن ہے بھائی جان۔“ حمید نے کہا۔ ”ویسے آپ کا خیال بالکل درست ہے۔“ فریدی پھر بیٹھ گیا۔

اس کے بعد پھر کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا۔ حمید پھر اپنی بر تھر پر آبیٹھا۔ ٹرین آٹھ بجے رات کو رام گڑھ پہنچی اور بوڑھاڑا اکٹر پروگرام کے مطابق سچ مچ ان دونوں سے آٹکرا یا۔

”میرا خیال ہے کہ تم دونوں سرافضال کے لڑکے ہو۔“ حمید گرجوشی میں ہاتھ ملاتا ہوا بولا۔

”جی باں! اور یہ کمال بھائی جان ہیں۔“

”اوہو! کمال میاں تم تو بالکل بدل گئے ہو۔“ ڈاکٹر نے فریدی کی طرف مصالحت کے لئے ہاتھ بڑھایا، لیکن فریدی کے جسم میں حرکت نہ ہوئی۔ وہ بہت کی طرح کھڑا پلکیں جھپکائے بغیر ڈاکٹر کو گھور راتھا۔

”اوہو! بھائی جان۔“ حمید جلدی سے بولا۔ ”یہ نجیب چیزاں ہیں والد مر حوم ان کے

گھرے دوستوں میں سے تھے۔“

”اچھا! فریدی اس طرح جو نکلا جیسے اب تک خواب دیکھا رہا ہو۔ دوسرا لمحے میں وہ جھک کر بڑی غاجزی کیا تھا ڈاکٹر سے مصالحت کر رہا تھا۔

”یقین مانیئے! مجھے انتہائی افسوس ہے کہ میں آپ کو نہ پہچان سکا۔“ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”تو قعہ ہے کہ آپ میری یہ غلطی معاف کر دیں گے۔“

”کوئی بات نہیں... کوئی بات نہیں۔“ ڈاکٹر بولا۔

”نہیں کہیے کہ میں نے معاف گردیا اور انہیں قبضی گوفت میں بتلا رہوں گا۔“ فریدی نے گلوگیر آواز میں کہا۔

”معاف کر دیا بھائی۔“ ڈاکٹر نے لگا۔ ”کیا اسی سرین سے اترے ہو۔“

”جی ہاں۔“ حمید بولا۔

”کہاں قیام ہو گا؟“

”ہوٹل میں۔“ حمید جواب دیا۔

”کیا؟... سرافضال کے لڑکے رام گلڈھ آئیں اور ہوٹل میں قیام کریں۔ ناممکن قطعی ناممکن۔ نہیں ہو سکتا! تمہیں میرے یہاں قیام کرنا پڑے گا۔“

”اوہ!... دیکھئے!“ فریدی پلکیں جھپکاتا ہوا بولا۔ ”آپ کو بڑی تکلیف ہو گی۔“

”تم اس کی فکر نہ کرو۔ وہ یہ بھی کریں بات ہوئی۔“ ڈاکٹر نے کہا۔ پھر ان کے قلیوں کو ہدایات دینے لگا۔

ایک لمبی سی سیاہ رنگ کی کار میں بیٹھ کر وہ شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔ دو نوں لڑکیاں بے تحاشہ چپک رہی تھیں۔ فریدی اور حمید خاموش تھے۔ حمید کا تودل چاہ رہا تھا کہ وہ کامیں کامیں شروع کر دے لیکن فریدی با ربارہ اس کے پیس پیس رکھ دیتا تھا۔ یہاں کافی خنکی تھی اور حمید کو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ جہنم سے جنت میں آگیا ہو۔ مطلع صاف تھا اراؤ نچے پہاڑ سکوت میں ڈوبے کھڑے تھے۔

آج کا دن حمید کے لئے ”عجیب“ ثابت ہوا تھا لیکن وہ اس سے بخبر تھا کہ رات ”عجیب ترین“ ثابت ہونے والی ہے۔ اچانک ایک موڑ پر دو ٹین فائر ہونے اور کار کے اگلے ہیوں کے ناٹر برست ہو گئے۔ کار رک گئی۔ پھر سات آنھا آدمیوں نے کار کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ ”لڑکیوں کو باہر نکال کر مارنا لو۔“ کسی نے چیخ کر کہا۔ اور بوڑھاڑا کثڑ ہونٹوں میں کچھ بڑا لیا کر رہا گیا۔ جیسے فریدی اور حمید نہ سن سکے۔ ”کیا صحیح بیسم اللہ السلام پڑے گا۔“ حمید آہتنے سے بولا۔ ”یہ دو آدمی اور کون ہیں؟“ کار کیا اندر ناٹریک کی روشنی پڑی۔ ”کمال اور جمال۔“ فریدی نے بڑی معصومیت سے جواب دیا۔ ”لڑکیوں کو باہر نکال لو۔“ کسی نے پھر کہا۔

بوڑھاڑا کثڑ چپ چاپ بیٹھا رہا۔ کار کے دروازے کھلے اور لڑکیاں نیچے کھینچ لی گئیں۔ ان کے حلق سے ڈری ڈری سی آوازیں نکل رہی تھیں۔ فریدی اور حمید بھی نیچے اتر گئے لیکن ڈاکٹر بدستور بیٹھا رہا کار کی ہیڈ لا یکٹس اب بھی روشن تھیں اور ان کی روشنی کچھ دور کھڑی ہوئی دو کاروں پر پڑ رہی تھی۔ ”تم لوگ اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو۔“ ایک آدمی غریا۔ اس کے ہاتھ میں تینیاریوں الور ہی تھا۔ اندھیرا ضرور تھا مگر مطلع صاف ہونے کی وجہ سے کم از کم ریوں الور تو نظر آ سکتا تھا اور آدمیوں کی تعداد بھی معلوم کی جا سکتی تھی۔ وہ آٹھ تھے۔

”ارے۔ یہ تو ہی سر دودھ معلوم ہوتا ہے۔“ کسی نے کہا۔ ”جس نے ٹرین میں میرا گلا گھوٹنے کی کوشش کی تھی۔ اس کے ہاتھ پر تو ضرور توڑے جائیں گے۔“

جنگ اور پسپاٹی

جمید سنائے میں آگیا کیونکہ اس نے بولنے والے کی آواز پہچان لی تھی اور یہ آواز اس آدمی کے علاوہ اور کسی کی نہیں ہو سکتی، جس نے تین میں بیوی والوں کا کریمہ کمپنی کی پبلیٹی کی تھی۔

فریدی کے چہرے پر پھر بارج کی روشنی پڑی۔

”ہاں وہی ہے۔“ ہاں ماروا ہوئے اسے دیوچ کر بیوی والے کے سامنے کرتا ہوا بولا۔ جمید بھی پہلے ہی سے تیار تھا وہ ان آدمیوں کی بھیر میں گھستا چلا گیا، جنہوں نے اُڑ کیوں کو گھیر رکھا تھا۔

”تم سے ہمارا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ تم کون ہو۔“ بیوی والے نے فریدی سے کہا۔

جواب میں فریدی کے بازو میں جکڑا ہوا آدمی فصایں بلند ہو کر بیوی والے پر گرا، اور دونوں بیک وقت زمین پر ڈھیر ہو گئے۔ فریدی نے انہیں منحلنے کی مہت نہیں دی۔ دوسرے لمحے میں بیوی والے کے قبضے میں آچکا تھا۔

دوسری طرف جمید نے ہنگامہ برپا کر دیا تھا۔ فریدی نے ایک ہوائی فائر کرنا چاہا مگر شامدر بیوی والوں کا وہ چیز بخالی تھا۔ وہ پے در پے ٹریگر دباتا چلا گیا لیکن ایک بھی فائر نہ ہوا۔

وہ دونوں زمین سے اٹھ چکے تھے۔ فریدی ان کے حملے کا انتظار کرتا رہا۔ لیکن وہ چپ چاپ کھڑے رہے۔ فریدی بیوقوف نہیں تھا کہ اسے ان کے اس روئی پر حیرت ہوتی۔ پھر اچانک وہ فریدی پر ٹوٹ پڑے اور فریدی اس کیلئے پہلے ہی تیار تھا۔ وہ بڑی پھرتی سے ان کے درمیان سے نکل گیا اور ان دونوں کے سر ایک دوسرے سے ٹکرا کر رہ گئے۔ پھر فریدی تیر کی طرح دوسرے مجھے میں جا گھما۔

جمید کو درحقیقت مدد کی ضرورت تھی۔ فریدی کے پہنچتے ہی پے در پے کئی جنگیں بلند

ہوئیں۔ اچانک کسی نے چیخ کرہا۔ ”وہ گئے... وہ نکل گئے۔“

بہت دور کسی کار کی غصہ سرخ روشنی آہستہ آہستہ اندھیرے میں گم ہوتی جا رہی تھی۔ نامعلوم آدمیوں کی کاروں میں سے ایک غالب تھی۔ ”چلو پکڑو انہیں۔“ ایک دوسری آواز سنائی دی اور وہ سب کے سب کار کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔

”فریدی اور حمید تباہ رہ گئے۔“

”کیا پا گل پن ہے۔“ حمید پانچتا ہوا بڑا بڑا یا۔

”عجیب لوگ ہیں۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔ ”اور ڈاکٹر نجیب... وہ اس سے بھی زیادہ پر اسرار معلوم ہوتا ہے، وہ اڑکیوں اور لپیٹنے کی رائیور سمیت نکل گیا اور... دیکھو شاید وہ دوسری کار بھی اشارت نہیں ہو رہی ہے۔“ اور ان لوگوں کی لاپرواںی بھی ملاحظہ ہو۔ ہماری طرف سے بالکل بتخیر ہو گئے ہیں۔ آپ پا گل خانے کا معائنہ فرمانے کے لئے آئے تھے... ہاہا۔“

”دیکھو! وہ پھر ادھر ہی آ رہے ہیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ اب ہمیں چھپ جانا چاہیے۔“

”اگر انہوں نے سامان پر ہاتھ صاف کر دیا تو...“

مجھے تو قع نہیں ہے۔“ فریدی نے کہا اور حمید کا ہاتھ پکڑ کر سڑک کی دوسری جانب کی ڈھلان کی طرف کھینچنے لگا۔ وہ زیادہ نیچے نہیں گئے۔ دو تین بڑے پتھروں کی اوٹ سے وہ سڑک کا حال بخوبی دیکھ سکتے تھے۔ نامعلوم آدمیوں نے ڈاکٹر نجیب کی کار بھی اشارت کرنے کی کوشش شروع کر دی تھی، لیکن انہیں اس میں بھی انہیں اس میں بھی ناکامی ہوئی۔

”بُوڑھا بُر اقتیں ہے۔“ ان میں سے کسی نے جلاتی ہوئی آواز میں کہا۔

”مگر وہ دونوں کہاں گئے۔“

اس کا کسی نے جواب نہیں دیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ان کی نظروں میں ”ان

دونوں، کی کوئی اہمیت نہ ہو۔

”اب کھک چلو یہاں سے۔“ کوئی بولا۔ ”درنہ وہ یقیناً پولیس کے ساتھ واپس آئے گا۔“

”کیا پیدل ہی چنان پڑے گا۔“

اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں۔ خیر دیکھیں گے اے۔“
”اگر پولیس کے ساتھ اس والپسی کا امکان ہو تو ہمیں ڈرک بھی چھوڑنی ہی پڑے گی۔“

”چلو۔ وقت نہ برا کرو۔“
پھر وہ سب دوسرا طرف ڈھلوان میں تھرتے چلے گئے۔

”میں بھی پاگل ہو جاؤں جناب بھائی صاحب!“ حمید ایک طویل سانس لے کر آہستہ سے بولا۔

”ابھی ہمیں ٹھہرنا چاہئے!“ فریدی نے کہا۔ ”ہو سکتا ہے کہ ہم پر ہاتھ ڈالنے کے لئے انہوں نے یہ تدبیر کی ہو۔“

”اور اگر نہیں کی تو میں انہیں پاگل ہی سمجھوں گا۔“ حمید بولا۔

چھوڑی ہی دری تک خاموشی رہی پھر فریدی نے کہا۔ ”آن کے پاس رائقیں بھی تھیں، جن سے ڈاکٹر کی کار کے ناڑ پھاڑے گئے تھے۔ لیکن انہوں نے جھگڑے کے وقت انہیں استعمال نہیں کیا۔ ایک ریوال اور صرف دھمکانے کیلئے استعمال کیا گیا تھا۔“

”صرف دھمکانے کے لئے۔ یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔“

”محض اس لئے کہ وہ خالی تھا اور اب بھی میرے پاس موجود ہے اور پھر یہ سوچو کہ وہ بیمه کمپنی والے بھی ان لوگوں کے ساتھ تھے۔ اس سے کیا تجباخذ کرتے ہو۔“
”اخذ کر لیا۔“

”حقیقت تو یہ ہے کہ مجھے اس وقت اخذ کے معنی نہیں یاد آ رہے ہیں۔“

”خیر پھر بھی یاد کرنا۔“ فریدی نے لاپرواٹ سے کہا اور ایک بڑا ساق پھر اٹھا کر مڑک کی دوسری طرف اچھال دیا۔ کئی سکنڈ تک اس کے لڑھنے کی آواز آتی رہی اور پھر سکوت طاری ہو گیا۔

وہ حموڑی دیر تک اور انتظار کرتے رہے پھر تو فریدی پتھروں کی اوٹ سے نکل کر مڑک پر آ گیا۔

فریدی کچھ نہ یوں اواہ ڈائیکٹنچیب کی کار میں کچھ تلاش کر رہا تھا... پھر وہ اپنی کی طرف گیا اور نارنج روشن کرنے کے اس کا جائزہ لیئے لگا۔

”سامان تو محفوظ ہے!“ حمید بڑا بڑا گفت

فریدی اب بھی کچھ نہ یوں۔ حموڑی دیر بعد وہ حملہ آوروں کی کار کی طرف جا رہے تھے۔ نارنج کی روشنی کا رپرپری اور فریدی یوں۔ وہی بات ہے، جو میں سوچ رہا تھا

”

”کیا سوچ رہے تھے۔“

”کیا تمہاری آنکھیں بند ہیں۔ یہ کوئی پرانی یوں کار نہیں بلکہ یہی ہے۔“

”اوہ...!“ حمید اس کے میٹر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

فریدی حموڑی دیر تک اس یہی میں بھی کچھ دیکھا رہا۔ پھر حمید کی طرف مڑکر یوں

”کافی چالاک لوگ تھے۔ انہوں نے کچھ بھی نہیں چھوڑا۔“

”بہت کچھ چھوڑا ہے جناب۔“

”یعنی...!“

”ہمیں چھوڑ گئے۔ یہی کیا کم ہے۔“

فریدی کچھ کہنے والاتھا کہ مڑک پر روشنی پھیل گئی۔ غالباً وہ تین یا چار کاریں تھیں، جو آگے پیچھے اسی طرف آ رہی تھیں۔ فریدی اور حمید مڑک کنارے ہو گئے۔

آگے والی ایک سیاہ رنگ کی پولیس کا تھی وہ ٹھیک ان کے پاس ہی رک گئی۔

”خبردار اپنی جگہ سے جنبش نہ کرتا۔“ کار کے اندر سے آواز آئی۔ پھر دروازہ کھلا

اور یکے بعد دیگرے تین آدمی نیچے اتر آئے
”اپنے ہاتھو پر اٹھاؤ۔“ ان میں سے ایک بولا۔ فریدی نے فوراً اپنے ہاتھو پر
اٹھا دیئے اور حمید نے اس کی تقاضی۔ لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ یہ دوسری تفریح بھی
خاصی رہے گی۔ دوسری گاڑیوں سے بھی اتر رہے تھے۔ ذرا ہی سی دیر میں ان کے
گرد مسلح کانٹیبلوں کی بھیڑا کسما ہو گئی۔

”تمہارے دوسرے ساتھی بہاں ہیں۔“ پولیس افسر نے فریدی اور حمید نے جلدی
سے کہا۔ ”جی ہاں... گھر سے دوست جی ہاں... بد معاشوں نے ہماری کار پر
فائر کر کے اس کے اگلے ناڑ پھاڑ دیئے اور پھر حملہ کر دیا۔ ہم دونوں لڑتے رہے اور
ڈاکٹر نجیب بد معاشوں کی ایک گاڑی لے گئے □... جی ہاں!“

”ڈاکٹر صاحب ذرا قریب قریب آئے!“ آفیسر نے مژے بغیر کہا اور ایک آدمی
اس کے قریب بیٹھ گیا۔ فریدی اور حمید کے چہروں پر نارجی کی روشنی پڑی۔
”جی ہاں یہ ہی ہیں۔“ انہوں نے ڈاکٹر نجیب کی آواز سنی۔

”ہاں! بتاؤ تمہارے ساتھی کہاں ہیں۔“ آفیسر نے پھر فریدی سے پوچھا۔

”اوہو!“ حمید جلدی سے بولا۔ ”کیوں چچا نجیب یہ کیا معاملہ ہے۔“

”میں کچھ نہیں جانتا۔“ نجیب نے خشک لبجے میں کہا۔ ”یہ لوگ اپنے طور پر تم لوگوں
پر شہر کر رہے تھے۔

”خیر... خیر... کوئی بات نہیں۔“ حمید غصیلے لبجے میں بولا۔ ”آپ لوگوں کا یہ
خیال ہے کہ ہم بھی ان لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کی یہ غلط فہمی جلد ہی رفع
ہو جائے گی۔“

”اپنے ساتھیوں کا پتہ بتاؤ!“ آفیسر گر جا۔

”زبرستی کا تو کوئی علاج ہی نہیں ہے۔“ حمید نے کہا۔ فریدی بالکل خاموش رہا۔
”اچھا!“ پولیس آفیسر غریا۔ ”ان کی چھکڑیاں لگا دو... اوم لوگ کھڑے کیوں
ہو۔ انہیں تلاش کرو... جاؤ۔“

سنستان سڑک بھاری قدموں کی آواز بجھنے لگی اور ان دونوں کے ہاتھوں
میں چھکڑیاں ڈال دی گیس اور انہوں نے کوئی تعریض نہ کیا۔

”اچھا ڈاکٹر صاحب!“ حمید نے ایک طویل سانس لی۔ ”ہمارا سامان اختیاط سے
رکھنے گا، ہم جلدی ہی پھر ملیں گے۔“

”کیا ان کا کوئی سامان بھی ہے۔“ پولیس آفیسر نے ڈاکٹر نجیب سے پوچھا۔
”بھی ہاں! اگر لٹانہ ہو گا تو کار کی اپنی ہی میں ہو گا۔“

”اے ہماری کار میں رکھواد تجھے۔“ آفیسر بولا۔

”آپ کو پیشہ مانی ہو گی جناب۔“ حمید نے آفیسر سے کہا۔
”خاموش رہو۔“

”اچھا جناب!“

فریدی نے حمید کے پیغمبر پر اپنا پیغمبر کھدوایا اور حمید نے خاموشی اختیار کی۔
تقریباً ایک گھنٹے تک حملہ اور وہ کی تلاش جاری رہی، لیکن ان کا نشان بھی نہ ملا۔
اس دوران میں ڈاکٹر نجیب اپنی کار کے پہیے تبدیل کرتا تارہ تھا۔

لیکن دونوں ” مجرموں“ کی روائی کے وقت پہیے تبدیل نہیں ہو سکے تھے۔ اس
لئے پولیس آفیسر انہیں وہاں دو مسلح کا نشیبل چھوڑ دیئے اور سقیہ لوگ ” مجرموں“
سمیت شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔

حمدیہ کے الفاظ میں پولیس انہیں راستے بھر ”جور“ کرتا رہا۔ مگر ان دونوں نے
چپ سا وہ لی تھی۔ اچانک کچھ دیر بعد فریدی نے پولیس آفیسر سے کہا۔
” غالباً، کیپٹن ماہر کا بنگلہ کوتواہی کے قریب ہی ہے۔“

”کیوں؟“ آفیسر اسے گھورنے لگا۔

”کچھ نہیں یونہی... مطلب یہ ہے کہ میں کیپٹن ماہر کے علاوہ اور کسی سے گفتگو کرنا پسند نہیں کروں گا۔“

”واہ... راجہ صاحب!“ دوسرا آفیسر نے قہقہہ لگایا۔

”اچھا!“ حمید کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ فریدی نے اس کا ہاتھ دبا دیا۔ ”ماہر صاحب سے کتوالی ہی میں ملاقات ہو جائے گی۔ فکر نہ کرو،“ پہلے آفیسر نے کہا۔

رام گلڈھ کا ایس۔ پی کیپٹن ماہر فریدی کی وجہ ستوں میں سے تھا اور کسی زمانے میں اس کا کام فیلو بھی رہ چکا تھا۔

اس وقت کا کا کتوالی میں موجود ہونا غیر معمول واقعہ نہیں تھا کیونکہ ڈاکٹر نجیب شہر کی سر برآور وہ شخصیتوں میں سے تھا۔ اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعے کی اطلاع برداہ راست ماہر کی دی تھی اور ماہر نے ڈی۔ ایس۔ پی کی سر کردگی میں پولیس کا ایک مسلح دستہ اس کے ساتھ روانہ کر دیا تھا۔ مگر جب مجرم اس کے سامنے آئے تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں، لیکن فریدی نے اسے خاموش ہی رہنے کا اشارہ کر دیا۔ پھر بھی نروں سانظر آنے لگا تھا۔

پھر وہ انہیں ساتھ لئے ہوئے ایک ایسے کمرے میں آیا جہاں ان تینوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

فریدی نے نہ کر اپنے ہتھلڑیاں لگانے کی واردات بیان کی۔ ساتھ ہی ماہر بھی ہستارہ۔ پھر فریدی نے اس سے کہا کہ وہ ان دونوں کے متعلق کسی کو کچھ نہ بتائے اور ان سے دوبارہ ملنکی کوشش کرے، لیکن اس نے اس کا تذکرہ نہیں کیا کہ ان کے رام گلڈھ آنے کا مقصد کیا تھا اور ڈاکٹر کے یہاں قیام کرنا چاہتے ہیں۔ تھوڑی ہی دیر بعد اسی ڈی۔ ایس۔ پی کو ان کی ہتھلڑیاں کھولنی پڑیں، جو انہیں گرفتار کر کے لایا تھا۔

”میں مطمئن ہوں۔“ ما تھر اس سے بولا۔ ”یہ معزز لوگ ہیں۔ انہیں ان کے سامان سمیت ڈاکٹر نجیب کی کوٹھی تک پہنچا دو۔ میں ان کے اور ان کے خاندان والوں سے ذاتی والوں سے ذاتی طور سے واقف ہوں۔“

”تب مجھے انہوں نے جناب!“ ڈی۔ ایس۔ پی نے لجاجت سے کہا۔

”کوئی بات نہیں۔“ حمید بولا۔ ”ڈاکٹر غلط فہمی ہو ہی جاتی ہے۔ اب ہمیں برہا کرم ہمیں ڈاکٹر کی کوٹھی تک پہنچانے میں جلدی کیجھے۔“

حصوڑی دیر بعد وہ ایک پولیس کار میں اپنے سامان سمیت ڈاکٹر نجیب کی کوٹھی کی طرف جا رہے تھے۔

ڈاکٹر نجیب کوٹھی ہی میں موجود تھا۔ اس نے ان دونوں کی واپسی کو حیرت کی نظر وہ سے دیکھا اور واپسی جوانہ تائی اعزاز و اکرام کے ساتھ ہوئی تھی۔ ڈی۔ ایس۔ پی خود ان کے ساتھ آیا تھا اونہیں وہاں چھوڑ کرو اپس جاتے وقت اس بڑی لجاجت سے ان دونوں سے معافی مانگی تھی۔!

”کیا اس واقعے کے بعد بھی یہ ضروری تھا کہ تم لوگ یہیں واپس آتے؟“ ڈاکٹر نجیب نے کہا۔

”آپ سے وعدہ جو کر چکے تھے۔“ ڈاکٹر نجیب نے ناخشکوار لبجے میں کہا۔ ”میں دیکھوں گا تم زندگی بھر میرے ساتھ رہنے کے باوجود بھی اپنے مقصد کا میاں نہیں ہو سکو گے۔ میں ڈاکٹر نجیب ہوں سمجھے۔“

ڈاکٹر نے ایک زہریلا ساقہ قہہ لگایا اوس کے چہرے کی زمیں یکخت غائب ہو گئی۔ پیشائی کا وہ نور جو زم دلی کی علامت ہوا کرتا ہے تاریکی کی چادر اوڑھ کر سو گیا۔ فریدی اور حمید اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

ڈشمنوں کا ہمدرد

ڈاکٹر چندر لمحے انہیں گھوڑتا رہا پھر بولا۔

”میں نے ایسے ڈرامے بہت دیکھے ہیں۔ تم لوگوں کی حقیقت ہی کیا ہے۔“

”آپ نہ جانے کیا کہہ رہے ہیں۔“ فریدی نے جواب طلب نظر وں سے حمید کی طرف دیکھا۔

”میں کیا بھائی صاحب میں خود حیرت میں ہوں۔ اشیش پر خود ہی ملے، خود ہی مدعو کیا۔ پھر پولیس کے حوالے کروایا اور اب... مگر بھر بیئے بوجھے یاد آ رہا ہے۔“

”کیا یاد آ رہا ہے!“

”آن بد معاشوں میں میں نے اس آدمی کو آواز بھی سنی تھی جس نے کمپارٹمنٹ میں گرینڈ لاکف انشور نش کمپنی کا لاثر پھر تقسیم کیا تھا۔“

”اچھا!“ فریدی نے حیرت ظاہر کی۔

”اسی لئے... فریدی نے حیرت ظاہر کی۔

”اسی لئے... ڈاکٹر صاحب...!“

”بس ختم کرو!“ ڈاکٹر نجیب ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ابھی تمہارے لئے کمرے درست کراویے گئے ہیں۔“

ڈاکٹروہاں سے چلا گیا اور وہ دونوں ایک دوسرے کی صورت دیکھتے رہ گئے۔ پھر حمید نے لاعلی اور حیرت کے اظہار میں اپنے شانوں کو جنبش دی اور جیب سے پائپ نکال کر اس میں تمبا کو بھرنے لگا۔

”کیا وہ ہمیں پہچانا تاہے!“ فریدی بڑا بڑا لایا۔

”خدا ہی جانے... اور وہ گلرخان ستم پر بھی کہیں نظر نہیں آتیں۔“ حمید بولا۔

”نہیں حمید! یہ معاملہ کافی دلچسپ معلوم ہوتا ہے۔“

”اچھا! دیکھئے! میں بوڑھے کو ٹھوٹتا ہوں۔“

”یعنی!“

”یہی کوہ ہماری شخصیتوں سے واقف ہے یا نہیں۔“

”میرا خیال ہے کوہ میں نہیں جانتا۔“ فریدی نے کہ۔ ”ورنہ وہ میں چیخ نہ کرتا۔ اس نے یہی تو کہا تھا کہ تم میرے ساتھ زندگی بھر رہنے کے باوجود بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکو گے۔“

”ہاں کہا تو تھا۔“

”پھر تم خود ہی سوچو!“

”دیکھئے ابھی معلوم کئے لیتا ہوں۔“

حمد وہاں سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں آیا لیکن یہ بھی خالی تھا۔ وہ آگے بڑھا، اتنے میں ایک آدمی سے مل بھیر ہو گئی۔ وہ کمرے میں داخل ہو رہا تھا اور شام کڈا ڈاکٹر کا ملازم تھا۔ حمید نے اس سے ڈاکٹر کے متعلق پوچھا۔ اور ملازم نے اس کمرے میں پہنچا دیا جہاں ڈاکٹر نے اپنی دونوں لڑکیوں کے ساتھ بیٹھا کافی پی رہا تھا۔

”کیا بات ہے!“ ڈاکٹر نے بے پرواںی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

”صنیئے! جناب پہلے میں سمجھا تھا کہ پولیس اپنے طور پر ہمیں لے جا رہی ہے لیکن اب معلوم ہوتا ہے، خود ہی ہم لوگوں کے متعلق شبے میں بتلا ہیں۔“

”کیا میرا شبہ غلط ہے۔“ ڈاکٹر نے پسکون لجھے میں پوچھا۔

”ایس۔ پی۔ ماتھر کی تصدیق پر بھی آپ مطمئن نہیں ہیں۔ دیکھیئے میرا یہ مطلب نہیں کہ ہم آپ ہی کے یہاں قیام کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بات تو خود آپ ہی نے کہی تھی۔ مقصد ہے آج کل اس سے بڑے بڑے بک جاتے ہیں۔“

ڈاکٹر بولا۔ ”کوئی بڑی رقم... خیر میں اپنا وقت بردا کرنا نہیں چاہتا۔ تم یہاں شوق سے رہ سکتے ہو۔“

”ہم ان حالات میں یہاں ہرگز نہ ریس گے خواہ بھائی صاحب کو مجھے باندھ دی کر

کیوں نہ لے جانا پڑے۔“

”باندھ کر کیوں نہ لے جانا پڑے گا۔“

”وہ تو یہی سمجھ بیٹھے ہیں کہ آپ سچ والد صاحب کے دوست ہیں۔“

جمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ”آپ نہیں جانتے کہ وہ واپسی میں راستے بھر بگرتے آئے ہیں۔ میں یہ بات ان کے ذہن نشین کرنا چاہتا تھا کہ آپ ہم پر شہہر کر رہے ہیں۔ لیکن وہ ہمارے یہی کہتے رہے ہیں کہ نہیں پولیس اپنے طور پر ہمیں لے گئی تھی اور ان کے اس خیال کی تائید اس ذہنی خالیں پی نے بھی کردی، جو ہمارے ساتھ یہاں تک آیا تھا۔“

”مُھرِوا!“ بُوزھا انتھتا ہوا بولا۔ اس نے میز کے قریب جا کر فون پر کسی کے نمبر ڈائل کئے۔

اوھر جمید رکیوں سے کہنے لگا۔ ”انہیں یہاں سے لے جانے کے لئے خاصی ہاتھ پائی کرنی پڑے گی۔ لا جلو لا قوہ کس مصیبت میں پھنس گیا۔ مگر ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ان لوگوں نے نہ تو سامان میں ہاتھ لگایا اور نہ ہم میں سے کسی کو مار ڈالنے ہی کی کوشش کی۔ حالانکہ ان کے پاس رائقیں بھی تھیں اور ریواں اور بھی۔“

ڈاکٹر فون پر کسی سے گفتگو کر رہا تھا۔ ایک لڑکی نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر جمید کو چپ رہنے کا اشارہ کیا اور دوسری نے ہاتھ اٹھا کر اس قسم کا اشارہ کیا جس کا اشارہ کیا جس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ تم مطمئن رہو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ پھر وہ دونوں ایک دوسری کو دیکھ کر مسکرا نے لگیں اور جمید نے بڑے سعادتمند انہ انداز میں اپنے سر کو چبٹش دی۔

ڈاکٹر ریسیور رکھ کر مرستا ہوا بولا۔ ”میں نے ابھی ما تھر سے گفتگو کی ہے۔“

”یہی کچھ نہ بولا۔ ڈاکٹر نے سوال کیا۔“ اس نے کیا کہا ہو گا؟“

”یہی کہ ہم رفضال کے لڑکے ہیں۔“

”اور... کیا کہا ہو گا؟“

”اور... اور...“ حمید کچھ سوچ کر جلدی سے بولا۔ ”ہاں بھائی صاحب اس کے کاس فیلو بھی تو رہ چکے ہیں۔ اس نے یہ ضرور بتایا ہو گا۔ وہ شروع ہی سے کریک رہے ہیں۔“

”اور کچھ... اور کچھ!“

”بھلا میں کیا بتا سکتا ہوں؟“

”اس نے بتایا ہے کہ مال کتوں کا شو قیں ہے اور ان کے بارے میں بہت اچھی معلومات رکھتا ہے۔“

”جی ہاں! ہمارے پاس ایک سوسائٹھ کتے ہیں۔“ حمید نے لاپرواں سے کہا اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جنہیں پالنا قریب قریب ناممکن ہے لیکن بھائی صاحب واقعی کمال کرتے ہیں۔“

”اچھا...“ ڈاکٹر کے لجھے میں تمسخر تھا۔ ”بھی مجھے بھی بتانا۔ وہ کس نام کہتے ہیں۔ مجھے بھی تھوڑی بہت دلچسپی کتوں سے ہے۔“

”مثال کے طور پر۔“ حمید آہستہ سے بولا۔ ”افریقی جنگلی نسل کا ستاؤ گوا!“

”خوب تو گویا تمہارے پاس یلو ڈنگو بھی ہے۔“

”جی ہاں!“

”جغرافیہ کی کتاب میں میں نے بھی ڈنگو کے متعلق پڑھا تھا۔“ پروفیسر مسکرا کر بولا

”ضرور پڑھا ہو گا۔“ حمید نے لاپرواں سے کہا۔ ”لیکن آپ میری معلومات کو چیلنج نہیں کر سکتے۔“

”آؤ میں تمہیں اپنے کتنے دکھاؤں... اپنے بھائی کو بھی بالا لو۔“ ”ڈیڈی! کیا اب صح نہ ہو گی۔“ ایک لڑکی نے کہا۔

”نہیں ابھی اور اسی وقت۔“ ڈاکٹر سعید گی سے بولا۔

سعید سمجھ گیا کہ اس کا کیا مقصد ہے لہذا اس نے بھی کسی قسم کی آپچاہت نہ ظاہر کی۔ وہ دونوں وہاں سے اٹھ کر اس کرنے میں آئے جہاں فریدی ایک صوفے پر نیم دراز سگار پی رہا تھا۔

”ڈاکٹر ہمیں اپنے کتنے دکھانا چاہتے ہیں؟“ سعید نے کہا۔

”آچھا!“ فریدی نے بچوں کی طرح خوش ہو کر کہا۔ ”ضرور ضرور۔“ اس کی آنکھوں میں اس وقت اس نیچے کی آنکھوں کی ہی چمک نظر آ رہی تھی۔ جس نے کاس روم کی بوریت کے انداز سے اس نے بھی سمجھ لیا تھا کہ وہ کسی قسم کا متحان ہی ہو سکتا ہے۔

ڈاکٹر انہیں عمارت کے اس حصے میں لایا، جہاں کتنے رکھے تھے۔ اچانک ڈاکٹر کے منہ سے ایک عجیب قسم کی آوازنگی جسے تحر آمیز بیساختگی کے نتیجے کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا۔

اور اسے متوجہ کر دینے والی چیز رہ کر ایک پائپ تھا، جو رہداری میں دور تک پھیلا ہوا دکھائی دے رہا تھا اور اس کا ایک سراسمانے والے کمرے کے دروازے کے نیچے قائم ہو گیا تھا۔

ڈاکٹر نے کسی مخصوص انداز میں سیٹی بھائی اور اسے بار بار دہراتا رہا... پھر یک بیک وہ رہ کے پائپ کے دوسرے رخ کی طرف دوڑ نے لگا اور اس کا ساتھ دینے میں فریدی نے پہلی کی، پھر سعید کو بھی دوڑنا پڑا۔

وہ باہر لان پر نکل آئے۔

یہاں اندر ہیرا تھا۔ فقط ڈاکٹر کرما یوسان انداز میں بولا ”مارچ“ پھر رو دوبارہ عمارت کی طرف بھاگنے ہی والا تھا کہ فریدی نے جیب سے مارچ لکال لی۔ لیکن شارچ روشن کرتے ہی قریب کی جھاڑیوں میں گویا زلزلہ سا آگیا۔

دوسرا ہی لمحے میں فریدی نارنج زمین پر پھینک کر جھاڑیوں میں جھلانگ لگادی

حمدید نارنج اٹھا کر اسی طرف جھپٹا لیکن ڈاکٹر بعد ستورا پنی جگہ پر کھڑا رہا۔

جھاڑیوں کا لزلہ تیز ہو گیا۔ ساتھ ہی انسانی چینیں اور کرایہیں بھی فضا میں ابھرنے لگیں۔

پھر کئی بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں دوستک نائلے میں ہراتی چلی گئیں۔

حمدید کو جھاڑیوں میں دو آدمی نظر آئے تھے ایک تو زمین پر بیہوش پڑا تھا اور دوسرا فریدی کی مضبوط گرفت میں اسی بیس پرندے کی طرح پھر پھڑا رہا تھا۔

دونوں کو سمجھ کر جھاڑی سے نکالا گیا۔

ڈاکٹر اب بھی وہیں کھڑا تھا جہاں حمید نے اسے چھوڑا تھا۔ فریدی نے دوسرے مجرم کے ہاتھوں کی ٹالی سے باندھتے ہوئے حمید سے کہا۔ ”وہاں ایک گیس سلنڈر بھی موجود ہے اور یہ پائپ اسی سے اٹیج ہے۔“ ڈاکٹر ایک طویل سانس لیکر آہستہ سے بولا۔ ”وہ سب مر گئے ہوں گے۔“ ”کون؟“ فریدی نے پوچھا۔

”کتنے! اس کمرے میں کتنے تھے۔ ایسے کتنے جن کا یہاں ملنا مشکل ہے۔“

”اور یہ کون ہیں؟“ فریدی نے ان دونوں آدمیوں کے چہروں پر نارنج کی روشنی ڈالی۔ کوئی کے سارے نوکر شور سن کر باہر نکل آئے تھے اور ان کے ساتھ ڈاکٹر کی لڑکیاں بھی تھیں۔

”میں نہیں جانتا کہ یہ کون ہیں۔“ ڈاکٹر کے لجھ کی سختی رخصت ہو چکی تھی۔

پھر اس نے اپنے نوکروں اور لڑکیوں کو محااطب کر کے پوچھا۔ ”اب کوئی اندر رتو نہیں ہے۔“

انہوں نے اُنھیں میں جواب دیا اور دیا اور ڈاکٹر نے انہیں تجربہ گاہ کی طرف جانے کے لئے کہا۔

دوسری طرف فریدی قابو میں آئے ہوئے آدمی سے پوچھ چکھ کر رہا تھا۔

”کمال صاحب! انہیں چھوڑ دیجئے کوئی فائدہ نہیں ہے۔“ ڈاکٹر نے دفعتاً فریدی کو مخاطب کیا

”اوہوا! شامد آپ فرشتے ہیں۔“ فریدی نے ٹارچ کی روشنی اپنے چہرے پر ڈالتے ہوئے کہا۔ ”میکن یہ دیکھئے... میں انہیں کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔“ اس کی پیشائی سے خون بہہ بہہ کر چہرے پر پھیل رہا تھا۔

”اوہو... تو تم باب تک!“ ڈاکٹر متعطر بانہ انداز میں بولا۔ ”چلو... چلو یہیں دیکھوں۔ بن رہی ہے... صبیح تم تجربہ کاہ میں جا کر ڈرینگ کاسامان تیار کرو۔“

”ہرگز نہیں!“ فریدی نے کسی ضدی بچے کے سے انداز میں کہا۔ ”جب تک میں اس سے اس حرکت کی وجہ نہ دریافت کرلوں گا ڈرینگ نہیں کراوں گا۔“

ڈرینگ ”وجہ کا علم شامد ان کے فرشتوں کو بھی نہ ہو۔“ ڈاکٹر بولا۔ ”یہ کرانے کے طبو ہیں۔“

دونوں لڑکیاں فریدی کی طرف بڑھیں اور انہوں نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر ایک طرف گھستتے ہوئے کہا۔ ”چلے۔“

”کاش۔“ حمید طویل سانس لے کر آہستہ سے بڑھا یا۔ ”میری کھوپڑی تجھ سے دو ہو گئی ہوتی۔“

”جمال میاں!“ فریدی لڑکیوں کے ساتھ چلتا ہوا پیٹ کر بولا۔ ”ان دونوں کا خیال رکھنا۔“

”بہت اچھا بھائی صاحب!“ حمید نے جواب دیا لیکن دل میں کہنے لگا۔ ”کاش تم سچ مج پا گل ہوتے۔“

پھر وہ ڈاکٹر کی طرف متوجہ ہوا، جو مجرم کے ہاتھ کھول رہا تھا۔

”اُرے... ارے! یہ کیا کر رہے ہیں آپ۔“ عجیب بوكھلا کر اس کی طرف بڑھا۔

”کچھ نہیں! یہی ٹھیک ہے!“ ڈاکٹر نے جواب دیا۔ ”تم نہیں سمجھتے!“

واس کے ہاتھ جو پیش پر بند ہے ہونے تھے کھول چکا تھا۔ ہاتھ کھتے ہی وہ آدمی بے تحاشہ بھاگا۔ عجیب نے جھپٹنا چاہا لیکن ڈاکٹر نے اسے پکڑ لیا۔ اتنے میں وہ آدمی بھی اٹھ کر بھاگا۔ جوز میں پر بیویوں پر اتنا توکر شور مچانے لگے لیکن ڈاکٹر نے انہیں ڈافٹ دیا۔

”میں اس پاگل بن کر نہیں بھروسہ تھا۔“ عجیب آپ سے باہر ہو گیا۔

جواب میں ڈاکٹر نے اس کا شانہ تھکلتے ہوئے کہا۔ ”جاو تم بھی تجربہ کاہ میں جاؤ۔“ صبیح سے کہہ دینا کہ الماری سے ایک گیس ماسک نکال کر بھجوادے۔ تم سب بھی جاؤ۔“ ڈاکٹر نے توکروں کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہالیا۔

”میں ہرگز نہیں جاؤں گا۔ آپ مجھے اس کی وجہ بتائیے، درنہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔“ پہلے انہوں نے راہ میں حملہ کیا لیکن ان کے انداز قاتلانہ نہیں تھے حالانکہ وہ بے آسانی ہماری زندگیاں ختم کر سکتے تھے۔ انہوں نے سامان بھی نہیں لوٹا اور اب انہوں نے آپ ہی کے بیان کے مطابق آپ کے انتہائی قیمتی کتوں کا صفائیاً کر دیا اور آپ... آپ نے انہیں بھی نکل جانے دیا جو ہاتھا چکے تھے۔“

”بس اب جاؤ!“ ڈاکٹر ہاتھ ہلا کر بولا۔ ”میں تو لوگوں سے بہت شرمندہ ہوں اور اس تکلیف کی تائی کرنے کی کوشش کروں گا، جو تم لوگوں کو میری ذات سے پہنچی ہے۔“

ڈاکٹر کے اس جملے پر عجیب نے وہاں سے چلے چانا ہی مناسب سمجھا۔ اس نے سوچا کہ ڈاکٹر اب راہ پر آ رہا ہے، اس لئے اسے ناراض نہ کرنا چاہیے

”میں جا رہا ہوں ڈاکٹر! مگر یہ چیز... آپ نے دیکھا نہیں کمال بھائی کا پورا چہرہ

خون میں ڈوبا ہوا تھا اور آپ نے انہیں چھوڑ دیا۔“

”مجھے افسوس ہے۔ انہوں نے جلد بازی سے کام لیا۔ لیکن میں بہت دلیر، وہاں راستے میں بھی انہوں نے بڑی بے چکری سے ان لوگوں پر حملہ کیا تھا۔“

”مگر آپ کا روایہ بے ڈاکٹر...“

”اوہ نہ! تم اس کی پرواہ نہ کرو... جاؤ۔“

حمدی نوکروں کی زندگی میں ایک طرف چل پڑا۔ وہ اس معاملے میں بہت سنجیدگی سے غور کر رہا تھا۔ آخر یہ ڈاکٹر ہے کیا بالا اور وہ لوگ کون تھے۔ فقیناً فریدی اس معاملے کے متعلق بہت کچھ جانتا ہے، لیکن وہاں سے کیوں بتانے لگا۔

حمدی نے نوکروں سے اس مسئلے پر گفتگو کرنی چاہی لیکن وہ خاموش رہے۔ ہر سوال کا ان کے پاس ایک جواب تھا ”معلوم نہیں۔“

حمدی جھلا گیا، اگر یہ اس کے تو کر ہوتے تو مارتے مارتے بیدم کر دیتا۔
وہ خاموشی سے ان کے ساتھ چلتا رہا۔



وہ لڑکیاں

تجربہ گاہ میں پہنچ کر صبیحہ اور زرینہ نے فریدی کو ایک آرام کرسی پر بٹھا دیا۔ فریدی نے اتنی ہی دیر میں اندازہ کر لیا تھا کہ صبیحہ بہت شوخ لڑکی ہے۔

دو توں نے بڑی پھرتی سے پیشانی کا زخم صاف کیا اور خوبی ڈرینگ بھی کرنے لگیں حالانکہ ڈاکٹر نے صرف ڈرینگ کا سامان درست رکھنے کے لئے کھانا۔ جس کا مطلب اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا کہ وہ اپنی پرخود ڈاکٹر ہی ڈرینگ کرے گا۔ ”کمال صاحب!“ یک بیگ صبیحہ نے اسے مخاطب کیا، ”کیا یہ صحیح ہے کہ آپ ... پپ... پا...“

”شش! آپ یہ کیا کہواں ہے۔“ زرینہ جلدی سے بول پڑی۔

”ہاں ہاں کہیئے کہیئے!“ فریدی بولا۔

”آپ کے چھوٹے بھائی کہتے ہیں کہ آپ... پپ... پا...“

”صبیحہ کی بیگی۔“ زرینہ چھپنی۔

”اچھا جانے دو۔“ صبیحہ گردن جھٹک کر بولی۔

”میں سمجھ گیا۔“ فریدی مسکریا۔ ”غالباً جمال مجھے پاگل کہتا ہوگا۔ کیوں ہے ناہیں بات۔“

”دیکھیں نہیں... یہ غلط ہے۔“ زرینہ نے کہا اور صبیحہ کو گھورنے لگی۔ جواب میں صبیحہ نے اسے منہ چڑھا دیا۔

”اچھا! آئے دو ڈیڈی کو۔“

”جھکڑا کرنے کی ضرورت نہیں۔“ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”میں اس کا برانہیں مانتا۔ میرا پورا خاندان مجھے پاگل سمجھتا ہے اور میں سوچتا ہوں کہ اس میں میرا حرج ہی کیا ہے... اچھا تو اب میں سمجھا۔ وہ گدھا شامد مجھے اسی لئے رام گلڈھ لایا ہے۔ یہاں کا پاگل خانہ تو کافی مشہور ہے۔“

”دیکھنے کمال صاحب!... یہ صیحہ... بالکل احمق ہے! آپ کچھ خیال نہ کیجیے۔“

”ہم دونوں پاگل خانے کے چیر میں کی لڑکیاں ہیں۔“ صیحہ اپنی نہی روکنے کی کوشش کرتی ہوئی بولی۔ ”کمال صاحب! آپ خود سوچے!“
”تم خاموش نہیں رہوگی۔“ زرینہ پھر جھلانی۔

”اور یہ زرینہ۔“ صیحہ نے شوٹی سے کہا۔ ”بہت زیادہ چالاک لڑکی ہے۔ اس لئے مجھ میں اڑ پکھ کم آیا ہے۔ میں بھی خاصی پاگل ہوں۔“
قدموں کی آہٹ پر وہ خاموش ہو گئیں اور حمید نے تحریک گاہ میں داخل ہوتے ہی
ایک ایسی ٹھنڈی ساسی کے اسے اپنی صورتی متجدد ہوتی معلوم ہونے لگی۔ وہ
خاموشی سے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔
”کیوں؟“ فریدی نے پوچھا۔

”کچھ نہیں!“ حمید نے جواب دیا۔ ”بات صرف اتنی سی ہے کہ میرا بھی پاگل
ہو جانے کو دل چاہنے لگا ہے۔ کوئی تدبیر بتائیے... ڈاکٹر نے ان دونوں کو چھوڑ دیا
باقی سب خیریت ہے۔“

”چھوڑ دیا۔“ فریدی نے حیرت کا اظہار کرنے کے لئے اپنی پلکیں جھپکائیں۔
صیحہ بے تحاشہ ہستے لگی۔ پھر قہقہوں کے ساتھ ساتھ بولی۔ ”میں نے جھوٹ نہیں
کہا تھا۔“

”یہ تو بہت برا ہوا۔“ فریدی نے نشویش آمیز لمحے میں کہا۔ ”ڈاکٹر آدمی نہیں
بالکل... بالکل وہ معلوم ہوتے ہیں۔“

”کیا معلوم ہوتے ہیں!“ صیحہ نے پوچھا۔

”پتہ نہیں کیا معلوم ہوتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ کسی لفظ کی تلاش ہی فضول ہے۔
سارے کتے مر گئے اور انہوں نے مجرم کو معاف کر دیا۔ خدا کی پناہ۔“
”کمال ہے بھی۔“ فریدی اٹھ کر ٹھلتا ہوا بولا۔ ”کس دل سے اپنے کتوں کی

لاشیں دیکھ سکیں گے۔“

”آپ ٹھیک کہتے ہیں۔“ صبیحہ بر اسمانہ بنا کر بولی۔ ”وہ ہم لوگوں کی لاشیں دیکھ سکتے ہیں، لیکن کتوں کی لاشیں تو ان سے ہرگز نہ دیکھی جائیں گی۔“

”صبیحہ ایک نہیں یا میں ساقی تھے لگا کر بولی۔“ میں پا گل ہوں۔“

”تمہیں شرم نہیں آتی... ڈیڈی کا منصب حاصل آتی ہو۔“

زرینہ بر اسمانہ بنانے ہوئے ایک الماری کی طرف، غالباً وہ میں ماسک نکالنے جا رہی تھی۔ حمید صبیحہ کی طرف آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

”کیا بات ہے؟“ صبیحہ نے چیخ لرنے کے سے انداز میں آہا۔

”کچھ نہیں! بھلا یہ بھی کوئی بتانے کی بات ہے کہ بھوک لگ رہی ہے۔“

”فکر نہ کر جئے! یہ تو پہلا فاقہ ہے۔“

حمدید جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ زرینہ چیخ مارا سکے سامنے آگری۔

”سانپ!“ وہ اٹھتے اٹھتے پھر چیخی۔

کھلی ہوئی الماری سے ایک سیاہ رنگ کا سانپ نکل رہا تھا۔ حمید بھی اچھل کر کھڑا ہو گیا اور صبیحہ بدھواہی میں زرینہ کو دروازے تک گھیٹ لے گئی۔ تو کربر آمدے میں تھے۔ چیخ سن کر وہ بھی تجربہ گاہ میں گھس آئے۔

”اوہو!“ ڈرونہیں!“ فریدی پر سکون آواز میں بولا۔

حمدید اس کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی اپنے ہاتھ کی صفائی ضرور دکھائے گا۔

اور پھر جو کچھ بھی ہوا چشم زدن میں ہوا۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آسکا کہ فریدی کا ہاتھ اس پر پڑا۔ وہ تو بس اس کے دامنے ہاتھ میں ایک بڑا سا چھوالتکتا دیکھ رہے تھے۔ اس کے سر کا نچلا حصہ اس طرح چکلی میں دبار کھا تھا کہ سانپ کا گھلا ہوا منہ کس طرح بند ہی نہیں ہو سکتا تھا۔

”یہ کیا کر رہے ہیں آپ۔“ زرینہ پھر چھپی۔

”بھائی صاحب! بھائی صاحب!“ حمید نے خوفزدہ سی آواز میں ہاکن لگائی۔

فریدی نے سانپ کو ایک جھٹکا اور دعے کر فرش پر ڈال دیا۔ رینگنا تو دوڑ کی بات تھی اب وہاں بھی نہیں لے سکتا تھا۔ صرف دم میں خفیف سی لرزش باقی تھی۔ وہ اسے وہیں چھوڑ کر الماری کی طرف چل گیا۔

پھر شام کدو یا تین منٹ بعد دو دیس ماسک لئے ہوئے باہر جانے لگا۔

”یہیں میرا نظردار کرو۔“ اس نے دروازے کے قریب پہنچ کر حمید سے کہا۔

حمید اپنے سر کو خفیف سی جوش دیکر پھر سانپ کی طرف بیختے لگا، جو غالباً اب مر چکا تھا۔

”کیا یہ زندہ ہے۔“ زرینہ نے خوفزدہ آواز میں پوچھا۔

”نہیں! اس کی ساری ہڈیاں اپنے جوڑوں سے الگ ہو گئی ہوں گی۔ بھائی صاحب اس فن کے ماہر ہیں۔“

حمید نے صبح کی طرف دیکھا، جو اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی۔

”کیا الماری مقلعی تھی؟“ حمید نے زرینہ سے پوچھا۔

”جی ہاں!“ اس نے جواب دیا۔

”کیا ڈاکٹر سانپوں پر بھی تجربہ کرتے ہیں۔“

”نہیں کبھی نہیں۔“

تو پھر اس کا یہ مطلب ہوا کہ یہ سانپ کسی نے یہاں رکھا تھا اور اس صورت میں اس کے علاوہ اووور کیا کہا جاسکتا ہے کہ یہ انہیں لوگوں کی حرکت ہے، جنہوں نے کتوں کے کمرے میں گیس چھوڑی تھی۔ وہ جانتے رہے ہوں گے کہ گیس ماسک اسی الماری میں ہیں اور فتحیا ایسی حالت میں وہ نکالے جائیں گے۔

حمدی خاموش ہو کر لڑکیوں کی طرف دیکھنے لگا لیکن انہوں نے اس کے خیال پر

رائے زنی نہیں کی۔ دفعتاً جمید کو یاد آیا کہ فریدی سانپ کے کھلے منہ کو بغور دیکھتا رہا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ دونوں نے ایک ہی بات سوچی ہو کیونکہ جمید بھی دوسرے ہی لمحے بجلی کے بلب کی طرف اٹھا کر اس کے کھلے ہوئے دہانے کا جائزہ لے رہا تھا۔

سانپ کے منہ وانت نہیں تھے۔ جمید نے مزید اطمینان کرنے کے لئے اپنی چھوٹی انگلی اس کے منہ میں ڈال دی۔

اور پھر ایک طویل سانس لے کر مردہ سانپ کو فرش پر ڈال دیا۔ حقیقاً اس کے وانت نکال دیئے گئے تھے اور وہ صحیح ایک پیچوئے ہی کی طرح بیہر رہتا۔ زرینہ اور صبحی اس کی جگہ کتوں کی محیب نظر وہ سے دیکھ رہی تھیں۔

جمید سوچ رہا تھا کیا ڈاکٹر انہیں اپنے یہاں سے بھاگانے کے لئے یہ سب کچھ کر رہا ہے۔ ان دونوں مجرموں کو چھوڑ دینے کا تو یہی مطلب ہو سکتا ہے؟

وہ رات انہیں تجربہ گاہ میں بس رکنی پڑی۔ ڈاکٹر نے کسی کو بھی کوئی میں نہیں جانے دیا۔ اس کے خیال میں پوری کوئی گیس سے متاثر ہو گئی تھی۔

فریدی ایک خطبی آدمی کا بہترین روں ادا کرتا رہا۔ اس نے ڈاکٹر سے کچھ بھی نہیں پوچھا۔ حتیٰ کہ خود سے سانپ کا مذکورہ بھی نہیں کیا۔ ڈاکٹر نے خود اسی مردہ سانپ کو دیکھ کر اس کے متعلق پوچھا تو فریدی نے اتنا ہی کہا کہ ہاں اس نے اسے مار ڈالا تھا۔ اس نے ڈاکٹر سے یہ بھی نہیں پوچھا کہ وہ مغلیق الماری میں کس طرح پہنچا ہو گا۔

دوسری صبح جب جمید اور فریدی لان پر تھا تھے تو جمید نے پچھلی رات کے واقعات کا مذکورہ چھپیر دیا۔

”کیا آپ نے دیکھا کہ سانپ کے منہ میں وانت نہیں تھے؟“ اس نے کہا۔
”ہاں! میں نے دیکھا تھا۔“

”اوہ! کیوں کے بیان کے مطابق الماری مغلیق تھی؟“
”رہی ہو گی۔“ فریدی نے لاپرواں سے کہا۔

”تو پھر یہی سمجھنا چاہیئے کہ ڈاکٹر ہماری شخصیتوں سے واقف ہے اور نہیں چاہتا کہ ہم یہاں قیام کریں۔“

”اوہ! تو تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ ہم سے واقف ہے۔“ فریدی بولा۔

”پھر کیا سمجھوا؟“

”میرا خیال ہے کہ وہ ہمیں نہیں جانتا۔ اگر جانتا ہوتا تو اس قسم کی حرکتیں ہرگز نہ کرتا۔“

”تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ ان سب واقعات کا ذمہ دار کوئی اور ہے۔“

”ہو سکتا ہے۔“

”آخر آپ کھل کر بات کیوں نہیں مرتعے۔“ حمید بخوبی جھلا کیا۔

”حالات تمہارے سامنے ہیں۔ تم ہی کچھ روشنی ڈالو۔“

”اگر آپ کے یہاں آنے کا مقصد معلوم ہو جائے تو ڈال سکتا ہوں ہوں روشنی۔“

حمید اکٹھ کر بولा۔

”مقصد بھی بتا چکا ہوں۔“

”اچھا تو یہ بھی بتاؤ تھیے کہ وہ پاگل کس قسم کا ہے جس میں آپ دچپی لے رہے ہیں اور اس کی اصلیت کیا ہے۔“

”اوہ نہہ! اختم کرو... ڈاکٹر اپنی طرف آ رہا ہے۔“

ڈاکٹر نجیب انہیں کی طرف آ رہا تھا لیکن جلدی میں نہیں معلوم ہوتا تھا۔

”ہلو! کمال رخم کیا ہے!“ اس نے ان کے قریب پہنچ کر پوچھا۔

”ٹھیک ہی ہے!“ فریدی نے لاپرواں سے کہا اور سر پر ہندگی ہوئی پٹی پر آہستہ آہستہ ہاتھ پھیرنے لگا۔

”مجھے افسوس ہے۔“

”افسوس! کس بات پر۔“ فریدی اسے غور سے دیکھنے لگا۔

”پچھلی رات کے واقعات۔“ ڈاکٹر کے انداز میں آچکچا ہٹھی۔

”اوہ!“ فریدی ایک مختصر سے قہقہے کے ساتھ بولا۔ ”مجھے ایسے واقعات سے بڑی دچکپی ہے۔ ڈنی ورزش کے ساتھ اگر جسمانی ورزش بھی نہ ہو تو آدمی کا ہل ہو جاتا ہے۔“

”تو تم... ڈنی ورزش بھی کرتے ہو۔“
”جی ہاں! اور اسی کا نتیجہ ہے کہ میرے خاندان والے مجھے پاگل سمجھتے ہیں۔“

فریدی نے قہر آلو ناظروں سے حمید کی طرف دیکھ کر کہا ”اور غالب اس گدھے نے آپ کو بھی اسی غلطی میں بنتا کرنا چاہا ہے۔“
”نہیں... نہیں...!“

”آپ کی صاحبزادی محترمہ صبیحہ مجھے بتا چکی ہیں۔“

”اوہ۔ وہ۔ وہ بڑی شریر ہے۔ تم اس کی باتوں پر وصیان شہدو۔“

”آپ پاگل خانے کے میڈی پکل اور ڈکے چیز میں ہیں نا۔“

”ہاں... آپ...“

”اور شامداہی لئے میں یہاں لاایا گیا ہوں کہ میر اعلان کیا جائے۔“

فریدی کا ہجھنا خوشگوار ہو گیا۔

”نہیں... بھی... وہ تو تم اتفاقاً مجھے اٹھیش پر ملے تھے۔“ ڈاکٹر نے کہا۔

”خیر... خیر...“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔ ”لیکن آپ میری ڈنی حالت ٹھیک کرنے پر اپنا وقت نہیں بر باد کریں گے۔“

”ہو سکتا ہے کہ اس کو فرانسیسی اور جرمون کا لطیفہ بھی سنایا ہو۔“

”کیا وہ بھی غلط ہے۔“ ڈاکٹر نے مسکرا کر حمید کی طرف دیکھا۔

”سو فیصدی غلط... محض مجھے غصہ دلانے کے لئے کہتا پھرتا ہے کہمیں فرانسیسی اور جرمون سے نا بلد ہوں۔“

”مگر... بھی... کچھیں... کچھیں...“ ڈاکٹرنور آسنجبل گیا۔ کتاب کا واقعہ
ٹرین سے متعلق تھا اور ڈاکٹر نے یہ ظاہر کیا تھا کہ ان سے اشیش پر اتفاقاً ملاقات
ہو گئی تھی۔

”نہیں بتائیے کون سی کتاب۔“ فریدی جھنپھلا کر بولا۔
حید نے ڈاکٹر کو آنکھ مار کر فریدی کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا لیکن فریدی نے
جھلائہٹ میں نہ صرف اس کا ہاتھ ہٹا دیا بلکہ ایک ہاتھ رسید کرنے کی بھی کوشش کی۔
حیدا چل کر ڈاکٹر کے پیچے ہو گیا۔
”اے... اے... باں۔“ ڈاکٹر فریدی کا ہاتھ پکڑا۔

”تو آپ اس سور کو بھی تو سمجھائیے کہ میں اس کا بڑا بھائی ہوں۔ مجھے تمام جگہوں
پر ذمیل کرتا پھرتا ہے۔“

”میں سمجھا دو گا۔ خیر اسے جانے وو۔ تم ابھی ڈنی دریش کی بات کر رہے تھے۔“

”جی ہاں۔ کیا وہ بھی پا گل پن کی بات تھی۔“

”نہیں... نہیں... قطعی نہیں۔“

”ڈنی... دریش۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”میں پچھلی رات کے واقعات پر
ڈنی دریش کر رہا ہوں۔ کمرے میں گیس ڈال کر کتوں کو ختم کیا گیا۔ پھر اس الماری
سے سانپ برآمد ہوا جس گیس ماسک رکھے ہوئے تھے اور سانپ بھی کیسا، جس کے
دانت پہلے ہی توڑ دیئے گئے تھے اور پھر آپ نے ہاتھ آئے ہوئے مجرم بھی
چھوڑ دیئے۔“

پاگل کا نشانہ

ڈاکٹر نجیب چند لمحے اسے خاموشی سے گھورتا رہا۔ پھر مختصر بارہ انداز میں بولا
”او... چلو۔ میں اس کے متعلق اطمینان سے گفتگو ہرنا چاہتا ہوں۔“

”صلیے!“ فریدی بولا

وہ ڈرائیکٹ روم میں آئے جہاں ناشتہ میز پر لگایا جا چکا تھا اور اکیاں شائد انہیں کی منتظر تھیں۔ صبیح جمید کو دیکھ کر مسکرا لی اور جمید بھی مسکرا دیا۔ ڈاکٹر خیالات میں کھویا ہوا تھا۔ کچھ دیر تک وہ خاموشی سے ناشتہ کرنے رہے پھر ڈاکٹر بولا۔
”ہاں تو تم کیا کہہ رہے ہے تھے۔“

”کیا کہہ رہا تھا۔“ فریدی نے سوچنے کے سے انداز میں اپنی پیشانی پر ٹکنیں ڈال لیں۔

”پچھلی رات کی باتیں جن پر تم ہنسنی و ریش کرتے رہے ہو۔“

”آہا ٹھیک! میں ان واقعات کو کبھی نہیں بھول سکتا، محض اس لئے کہ وہ تھیر انگلیز ہے... انتہائی تھیر انگلیز۔ ورنہ میں ہر بات بہت جلد بھول جاتا ہوں۔ جب ہم آئیشن سے اس طرف آرہے تھے تو ہم پر چند نامعلوم آدمیوں نے حملہ کیا تھا۔ ان میں سے ایک کی آواز بالکل ایسی ہی تھی جیسے یہ مکپنی کے اس ایجنسٹ کی جوہ میں ٹرین میں ملا تھا۔

”ڈاکٹر صاحب اس واقعے سے ناواقف ہیں۔“ جمید جلدی سے بولا۔

اس پر فریدی نے یہ مکپنی کے ایجنسٹوں کی عجیب و غریب حرکت کا مذکورہ کرتے ہوئے کہا۔ ”مجھے یقین ہے کہ ان میں سے ایک وہ ایجنسٹ ضرور تھا جس نے کپارٹمنٹ میں ریوالون کالا تھا۔ اچھا دوسری بات... انہوں نے ہمارے سامان میں ہاتھ نہیں لگایا۔ اور نہ ہی ہمیں جان ہی سے مارنے کی کوشش کی، حالانکہ ان کے پاس اسلحے بھی تھے۔ پھر یہاں کوئی میں کتوں پر آفت آئی۔ الماری سے سانپ برآمد

ہونے کا مقصد یہی تھا کہ اس واقعے کے بعد آپ لوگوں کو ایک دوسرے حادثے سے دوچار کیا جائے، درود وہ سانپ اسی الماری سے کیوں برآمد ہوتا جس میں گیس ماسک رکھے تھے۔ ظاہر ہے کہ کتوں والے واقعے کے بعد گیس کی ضرورت پیش آنی لازمی تھی۔

مگر اس سانپ کا مقصد؟ آپ خود ہی فرمائیے کہ اس کے دانت کیوں نکال دیئے گئے تھے اور سب سے بڑی بات تو یہ کہ آپ نے ہاتھ آئے ہوئے مجرموں کو کیوں چھوڑ دیا۔“

فریدی خاموش ہو کر راکٹر کی چنگوں میں دیکھنے لگا۔
”وہ ہمیں صرف خوفزدہ کرنا چاہتے ہیں۔“ ڈالٹر آہستہ سے بولا
”کون؟“

”چند نام معلوم آدمی،“

”کیوں خوفزدہ کرنا چاہتے ہیں؟“

”تاکہ میں یہ کوئی چھوڑ دوں۔“

”کیا یہ کوئی کرانے پر حاصل کی گئی ہے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”نہیں میری اپنی ہے۔ اب سے پچیس سال قبل میں نے اسے خریدا تھا۔“

”کون ہیں وہ بیہودے، جو آپ سے آپ کا مکان چھیننا چاہتے ہیں۔ مجھے بتائیے۔ میں ان سے سمجھ لوں گا۔ کیپٹن ماہر میرے گھرے دوستوں میں سے ہیں۔“

”تم نہیں سمجھے! میں خود بھی پولیس کی مدد لے سکتا تھا۔“

”پھر کیوں نہیں لی!“

”وجہ ہے! میں نہیں چاہتا کہ پولیس کو اس کا علم ہو!“

”کمال کرتے ہیں۔ ارے ان خطرناک حالات میں رہنا آپ کو پسند ہے۔“

”یہ ایک راز ہے!“

”لیکن۔ میری یہ چوٹ!“ فریدی اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔ ”مجھے مجبور کر رہی ہے کہ میں ماہر کو اس کی اطلاع دے دوں۔“

”خدا آپ کو اس کی توفیق دے۔“ صبح یہاں پڑی اور ڈاکٹر سے قبر آلو نظر وہ سے گھونٹنے لگا۔

”میں ضرور اسے مطلع کروں گا۔“

”تم میرا کہنا نہیں سنو گے۔ سرافضال...“

”صنیئے کو سہی۔“ فریدی نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”آخر وہ راز کیسا ہے؟“

ڈاکٹر ٹھوڑی دری خاموش رہ کر پچھوچ تاریا پھر بولا۔ ”تم مجبور کرو گے تو بتانا ہی پڑے گا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ لوگ ان حرفتوں پر اتنا جسمیں گے۔ ورنہ میں تمہیں کبھی یہاں نہ لاتا۔“

”ہو سکتا ہے کہ میں آپ کے کسی کام آہی سکوں۔“ فریدی نے کہا۔

”میں بتا دوں گا مگر پہلے تو دعده کرو کہ یہ بات صرف تم دونوں ہی تک رہے گی۔“

”سن رہے ہو۔“ فریدی حمید کی طرف دیکھ کر فرمایا۔ ”اگر تم نے یہ بات کسی سے کہی تو ہڈیاں پیاس ایک کر دوں گا۔“

”میں کسی سے نہیں کہوں گا۔“ حمید نے سعادت مندانہ لمحے میں کہا۔

فریدی پھر ڈاکٹر کی طرف دیکھنے لگا اور ڈاکٹر آہستہ سے بولا۔ اس عمارت میں کہیں پر ایک بہت بڑا دفینہ ہے۔“

”دفینہ!“ فریدی نے آہستہ سے دہرا یا اور اس کا چہرہ یک بیک سرخ ہو گیا۔

آنکھوں میں عجیب قسم کی چمک نظر آنے لگی۔ لیکن حمید خوب سمجھتا تھا کہ یہ تغیر قطعی بناؤٹی ہے۔ اس کا جذبات سے کوئی تعلق نہیں۔

”دفینہ!“ ڈاکٹر نے کہا۔ ”میں نے یہ عمارت بھری جہاز کے ایک انگریز کپتان سے خریدی تھی۔ وہ یہاں تھا رہتا تھا اور جس دن اس نے مجھ سے رقم وصول کی تھی،

اس سے پندرہ دن بعد کوٹھی خالی کر دینے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن وہ تیرے ہی دن اسی کوٹھی میں مردہ پایا گیا۔ کسی نے اس کے سر میں گولی ماری تھی۔ اس کا ملازم بھی تھا۔ اس نے بتایا کہ کچھ عرصہ سے پراہن را آدمی تاریک راتوں میں کوٹھی کے کمپاؤند میں چکر لگاتے رہے ہیں اور انہوں نے کئی جگہ کی کھدائی بھی کی تھی۔ اکثر کوٹھی کے اندر گھس آئے تھے۔ وہ ایک بار انگریز کپتان کو ان پر گولیاں بھی چلانی پڑی تھیں۔ لیکن کپتان نے ان واقعات کی روپورٹ پولیس کو بھی نہیں دی، بہر حال کوٹھی کا سودا اس کی زندگی ہی میں ہو گیا تھا۔ اس لئے اس کی موت کے بعد قانونی طور پر مجھے قبضہ مل گیا۔ لیکن اسی کے ساتھ ہی ساتھ مجھے بھی مصائب کا شکار ہونا پڑا۔ شروع شروع میں کچھ لوگوں نے کوٹھی خریدنے کی پیش کشی کی۔ پھر مجھے غائبانہ طور پر دھمکیاں ملنے لگیں۔ پچیس سال ہو گئے ان پکھیروں میں پڑے ہوئے لیکن یہ حقیقت ہے کہ نہ تو ابھی تک وہ لوگ ہی کامیاب ہو سکے اور نہ میں ہی۔ وہ اکثر چوروں کی طرح کوٹھی میں گھس کر اسے تلاش کرتے رہے ہیں۔ امتحاناً میں نے اکثر کوٹھی کو ایک ایک ہفتے کے لئے بالکل خالی چھوڑ دیا ہے، لیکن پھر بھی وہ کامیاب نہیں ہو سکے۔ ویسے ان کی تلاش کا سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ پچیس سال سے... خدا کی پناہ... اور اب وہ اس بات پر اتر آئے ہیں کہ جس طرح ممکن ہو، مجھے سے کوٹھی خالی کرائیں۔

ڈاکٹر خاموش ہو کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا جس کے چہرے پر اب بھی جوش کے آثار تھے۔

”ٹھیک ہے۔“ وہ مضطربانہ انداز میں بولا۔ ”پولیس کو اطلاع نہ دینی چاہئے۔ ورنہ پوری کوٹھی کھو دیا جائے گی۔ دفینہ نہ ہوتی بھی پولیس یہ جانتا چاہے گی کہ آخر وہ اس میں کیوں وچپی لے رہے ہیں۔“

”بالکل یہی بات میں بھی سوچتا ہوں۔“ ڈاکٹر نے ایک طویل سانس لی۔

”یہ تو کچھ بھی نہ ہوا۔“ صبیحہ مایوسانہ انداز میں بولی۔

”تم چپ رہو۔“ ڈاکٹر نے اسے ڈانٹ دیا۔

”ڈیلڈی میں پاگل ہو جاؤں گی۔“

”ضرور ہو جاؤ۔“

”آپ پاگل نہیں ہو سکتیں۔“ فریدی نے اسے اطمینان دلایا۔ ”بس دیکھتی رہے کہ میں کیا کرتا ہوں۔“

آپ کیا کریں گے؟“ صبح نے مخملہ اڑانے والے انداز میں لوچھا

”میں ان گیدڑوں پر موت بن کر گروں گا۔“ فریدی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ ”میرے پاس ریوالور ہے۔ میں اس کا لائنس رکھتا ہو۔ میرا نشانہ بُرا اشامدہ ہے۔ جمال ذرا لمحنا تو... شباباش!“

فرید نے جیب سے ریوا اور زکال لیا تھا۔ ڈاکٹر اسے حیرت سے دیکھنے لگا۔

جمید بدستور بیٹھا رہا۔ فریدی نے اسے گروں سے پکڑ کر اٹھا دیا۔ پھر کھینچتا ہوا کمرے کے درمیان سرے تک لے جاتا ہوا بولا۔ ”سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔“

جمید نے چپ چاپ تعقیل کی، ویسے اس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ کیا ہونے والا ہے۔ فریدی نے میز پر سے ایک گلاس اٹھا کر جمید کے سر پر رکھ دیا اور جمید کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ فریدی اس گلاس پر نشانہ لگانے جا رہا تھا۔

”کیا کرنے جا رہے ہو تم!“ ڈاکٹر اٹھ کھڑا ہو گیا۔

”نشانہ دیکھئے میرا۔“

”ارے نہیں... خبردار!“ ڈاکٹر اس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ مگر فائز ہو چکا تھا۔

گلاس کے پر زے اڑ پکے تھے اور جمید کھڑا اپنا سر سہلا رہا تھا۔

”اگر تمہارا ہاتھ بہک جاتا تو... بولوا!“ ڈاکٹر نے فریدی کو بچھوڑتے ہوئے کہا۔

”یہ نالائق مر جاتا۔“ فریدی نے لاپرواں سے کہا۔ ”اور مجھے خوشی ہوتی۔ اچھا آپ ہی فرمائیے کیا آپ کسی پاگل آدمی سے ایسے نشانے کی تو قع کر سکتے ہیں۔“

”نہیں۔ ہرگز نہیں۔“

”اور یہ گدھا مجھے پا گل کہہ کر بد نام کرتا پھرتا ہے۔“

”میں نے کب کہا تھا کس سے کہا تھا۔“ فرید جھلک رکھو لا۔

”کیوں محترمہ صبیحہ؟“ فریدی صبیحہ کی طرف مڑا۔

”اوہو! میں سمجھتی تھی کہ یہ مذاق کر رہے ہیں۔“ صبیحہ نے جواب دیا۔

”بہر حال کہا تھا!“

”نہیں کہا تھا،“ ڈاکٹر جلدی سے بولا۔ صبیحہ تم آخر شرکارت سے باز کیوں نہیں آئیں۔“

صبیحہ کچھ نہیں بولی۔

”کیون تو اور دکھاؤ!“ فریدی نے کہا۔ ”اس کی ناک پر سکر کر۔“

”نہیں... نہیں... میں اس کی اجازت ہرگز نہ دوں گا۔“ ڈاکٹر نے کہا۔ ”مجھے یقین ہے کہ تمہارا نشانہ بہت اچھا ہے۔“

”خیر۔ ہاں تو آپ مجھے بتائیے! وہ کون لوگ ہیں؟“ فریدی بیٹھتا ہوا بولا۔

”اس سے کیا فائدہ ہو گا۔“

”میں انہیں مرعوب کرنے کی کوشش کروں گا۔ انہیں سمجھاؤں گا کہ آپ تنہ انہیں ہیں اور آپ یقین کیجئے کہ میں اس وقت تک یہاں سے واپس نہیں جاؤں گا جب تک کہ اس تصفیہ نہ ہو جائے۔“

”میں کیسے بتاسکتا ہوں جب کہ وہ کبھی کھل کر سامنے آئے ہی نہیں۔“

”انہیں تو آپ جانتے تھی ہوں گے جنہوں نے یہ کوٹھی آپ سے خریدنے کی کوشش کی تھی!۔“

ڈاکٹر ٹھوڑی دریک پچھے سوچتا رہا پھر بولا۔ ”ان میں سے صرف ایک آدمی یہاں موجود ہے لیکن تم آخر سے کس طرح مرعوب کرو گے۔ وہ یہاں کا ایک ذی حیثیت

آدمی ہے۔“

”آپ اس کی پرواہ نہ سمجھی۔ صرف پتہ بتا دیجیے۔“

”نہیں بھی! اگر تم کوئی غیر قانونی حرکت کر بیٹھو!“

”نہیں! میں پاگل نہیں ہوں۔ حالانکہ لوگ مجھے بچپن ہی سے پاگل سمجھتے آئے ہیں۔ مگر یہ تو سوچئے۔ کہاڑ میں پاگل ہوتا تو مجھے روپا اور کالا لشکس کیسے مل جاتا۔“

”میں تمہیں پاگل نہیں سمجھتا!“ ڈاکٹر نے پلیس جھپکا میں۔

”تو پھر بتا دیجیے!“

”سردار محمود... وہ یہاں کا بہت بڑا آدمی ہے۔“

”پتہ بتائیے!“

”جس سے پوچھو گے بتا دے گا۔ وہ بہت مشہور آدمی ہے۔“

”اچھی بات ہے! میں دیکھو گا!“ فریدی کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر

بڑا بڑا ایسا۔

”مگر تم کرو گے کیا؟“ ڈاکٹر نے پوچھا۔

”اس سے زیادہ پریشان کروں گا، جتنے آپ اب تک ہو چکے ہیں!“

”دیکھو بھی! میں پھر تمہیں سمجھاتا ہوں کہ اس کی ضرورت نہیں! بس تم اپنی زبان بند رکھنا۔“

”زبان تو بند رہے گی! لیکن میرے ہاتھ نہیں باندھے جاسکتے۔“ سردار محمود کے یہاں بم کیوں نہ پہنچنا جائے۔“ حمید نے فریدی سے کہا۔

”نہیں! نہیں!“ ڈاکٹر اور اس کی بڑیاں بیک وقت بولیں۔

”کوئی مرے گا نہیں۔“ حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ ”وہ دھوئیں کا بم ہو گا۔“

”دھوئیں کا بم لاوے گے کہاں سے!“ ڈاکٹر نے کہا۔

”میں سائنس کا گرینج بجوبیٹ ہوں۔“ فریدی نے خریا انداز میں کہا۔

”لیکن تم خود بنالوگے۔“
”قطعاً!“

”نہیں۔ میں اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔“
”آپ مشورہ دیں یا نہ دیں۔“ فریدی پیشانی پر بندھی ہوئی پٹی پر ہاتھ رکھتا ہوا
بولا۔ ”اس زخم سے خون بہا تھا اور اب تکلیف بھی محسوس ہو رہی ہے۔“
حمدی نے محسوس کیا کہ ٹالکٹ کے چہرے پر بے طمینانی کے آثار نہیں ہیں۔
ناشستے کے بعد فائرنے پر فوتی ہسپتال کی طرف چلا گیا۔ فریدی اور حمید لان پر
ابیٹھے

”کیا خیال ہے!“ حمید نے فریدی سے کہا۔ ٹالکٹ کیوں پر رنگ تو خوب جمایا ان
دونوں میں عشق کرنے کی صلاحیت نہیں معلوم ہوتی۔“

”اس سے میرا وہ مقصد نہیں تھا، جو تمہارے ذہن میں ہے۔“ فریدی نے خشک
لہجے میں کہا۔

”اچھا اس کہانی کے متعلق کیا خیال ہے۔“

”عرف عام میں ہم اسے بندل کہیں گے۔ بچوں کو بہلانے کی سی باعثیں اور اسی
لئے میں نے بھی اچھل کرائے یقین دلا دیا تھا کہ میں بالکل چغد ہوں۔“

”خیر مجھے تو پہلے ہی سے یقین تھا۔“ حمید سنجیدگی سے کہا اور فریدی نے اس کی پیٹھے
پر ایک گھونسہ جما دیا۔

برآمدے سے صبیحہ نہیں دیکھ رہی تھی، جیسے ہی فریدی کا گھونسہ حمید پر پڑا وہ ”ہاں
ہاں“ کر کے دوڑی۔ اس پر فریدی نے اس کے قریب پہنچتے پہنچتے دو چار ہاتھ جھاڑ
دیئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حمید سچ مجھ جھلا گیا۔ صبیحہ ان کے درمیان میں آگئی۔

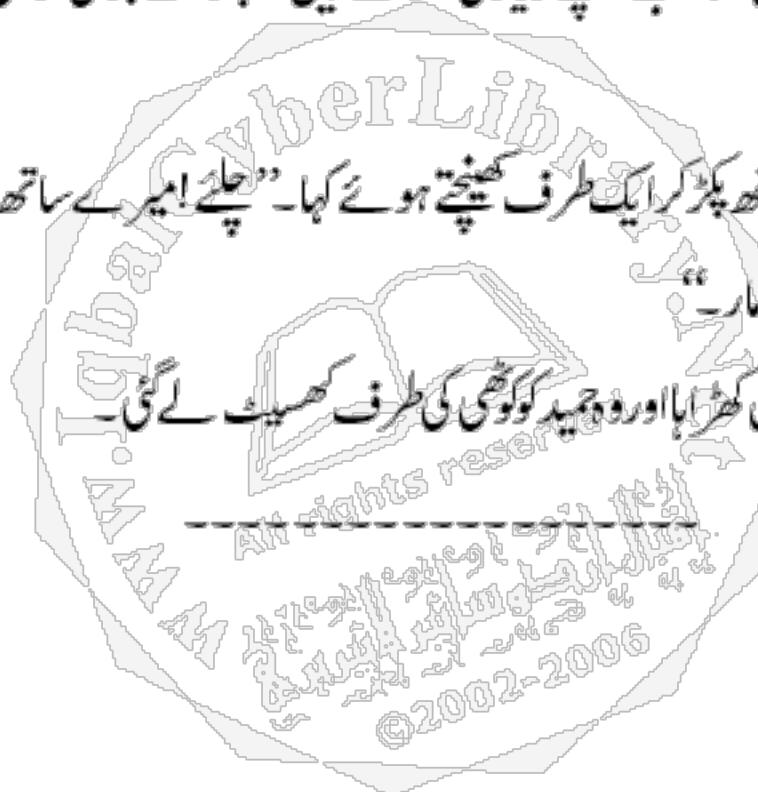
”آپ ہمٹ جائیے براء کرم۔“ فریدی نے کہا۔

”کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ جمال صاحب آپ سے کمزور ہیں۔“ صبیحہ نے پوچھا۔

”آپ خو انخواہ...“

”نبیں کمال صاحب آپ زیادتی کرتے ہیں۔ چھوٹے بھائی کو بھی غصہ آ سکتا ہے۔“

پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف کھینچتے ہوئے کہا۔ ”چلے! میرے ساتھ ایسے بڑے بھائی پر خدا کی مار۔“ فریدی وہیں کھڑا رہا اور وہ حمیدہ کو کوئی کی طرف کھینک لے گئی۔



دھماکہ

صیحہ نے لاٹیری میں پنچ کر حمید کو ایک کرسی میں دھکیل دیا اور اپنے چہرے پر سے بالوں کی وہ لٹ ہٹاتی ہوئی بولی، جو بار بار اپنی جگہ سے ہٹ کر چہرے پر جھول جاتی تھی۔

”اگر میں ساے پنچ سے اڑا دوں تو کیسی رہے۔“

”ایک بہت بڑا مسئلہ حل ہو جائے۔“ حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

”ایک مسئلہ؟“

”میں اس سے ایک مخصوصی مونچھ بنا داؤں اور پھر پھر بھیس مدل کران لوگوں کی جماعت بناؤں جو دینے کے چکر میں ہیں۔“

صیحہ ہٹنے لگی۔ پھر سنجیدہ ہو کر بولی۔ ”تو آپ کو بھی اس کہانی پر یقین نہیں ہے۔“

”کیوں! یقین کیوں نہ ہوتا۔“ حمید یک بیک اور زیادہ سنجیدہ نظر آنے لگا۔

”کچھ نہیں... کوئی بات نہیں... ہاں تو میں یہ کہنے والی تھی۔ آخر آپ اتنے سعادتمند کیوں ہیں؟“

”نہیں آپ مجھ سے اسی کہانی کی بات سمجھے۔“

”مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں کیونکہ اس کہانی کا آغاز میری پیدائش سے قبل ہوا تھا۔“

”آپ کچھ چھپا رہی ہیں۔“

”ہاں میں یہ چھپا رہی تھی کہ میں مر جانے کی حد تک بور ہو چکی ہوں۔“

نہ ڈیڈی یہ کوئی چھوڑتے ہیں اور نہ... میں کہتی ہوں کیوں نہ ہم اس موضوع پر خاموش ہی رہیں۔“

”جیسی آپ کی مرضی!“ حمید نے لاپرواں سے کہا۔

”مگر مجھے آپ پر پر حم آتا ہے۔“

”کیوں!“

”آپ کے بھائی صاحب پاگل ہوں یا نہ ہوں لیکن آپ کے ساتھ ان کا برداشت انتہائی افسوسناک ہے۔ میں اسے سعادتمندی نہیں بلکہ بزدلی بمحضی ہوں آپ چپ چاپ پڑتے رہتے ہیں۔ چھپی چھپی... بلکہ لا حول ولا قوۃ۔“

”میں کیا کروں وہ مجھ سے زیادہ طاقتور ہیں۔“

”طاقت سے پچھے نہیں ہوتا ہمت چاہئے۔“ صبیحہ نے سنجیدگی سے کہا اور حمید اپنی گھور پڑی سہلانے لگا۔ یہ رکی بھی نوعیت کے اعتبار یہ معلوم ہوتی تھی یعنی وہ اس جیسے آدمی کو بھی گھنٹے کی کوشش میں اتنا رہا یقیناً ایک بہت بڑا کارنامہ ہو گا۔

”ہمت اہمت سے کیا بنتا ہے۔“ وہ ہونری دیر بعد تشویش کن لمحے میں بولا۔

”جوڑ و سمجھتے ہیں آپ۔“ صبیحہ نے پوچھا۔

”بچپن میں سمجھتا تھا اب بھول گیا ہوں۔“

”میں سنجیدگی سے گفتگو کر رہی ہوں، جوڑ و یا جیو جیتو... کشتی کا جاپانی طریقہ!“

”اوہ! میں سمجھ گیا۔ میں نے اس کے متعلق کہیں پڑھا تھا۔“

”میں آپ کی مدد کر سکتی ہوں۔ میرے پاس اس فن کی ایک با تصویر کتاب ہے۔ آپ بہ آسمی مشق بہم پہنچا سکیں گے۔ پھر دیکھتی ہوں کہ وہ حضرت آپ پر کس طرح غالب آتے ہیں۔“

”میں آپ کا مشکلہ ہوں گا۔“ حمید نے اشتیاق ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

صبیحہ ایک الماری کے قریب گئی اور اس میں سے ایک خیم کتاب نکال لائی۔ ”وہ طریقے ہیں۔“ وہ حمید کی طرف کتاب بڑھاتی ہوئی بولی۔ ”جو ہاتھی کو مچھر سے زیر کراؤ۔“

حمید مضطربا نہ اندراز میں جلدی جلدی ورق کر دانی کرنے لگا۔

”صبیحہ خدا کے لئے اپنی حرکتوں سے بازا جاؤ۔“ انہیں زرینہ کی آواز سنائی دی،

جو ایک دروازے میں کھڑی صبیحہ کو گھور رہی تھی۔

”خدا کے لئے تم میری سراغری ترک کر دو۔“ صبیحہ دانت پیس کر بولی۔ پھر دونوں میں سچ مجھ پر ہو گئی۔ زرینہ نے میں کمزور معلوم ہوتی تھی۔ جتنی دیر میں اس کے منہ سے ایک بات لکھتی، صبیحہ وس سنا ڈاتی تھیں آخر کار پسپا اسی کو ہوتا پڑا۔ وہ پہنچنے چلگا ہارتی اور پہنچنے ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

لیکن حمید یہ محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا کہ زرینہ فطرتا صبیحہ کی ضد واقع ہوئی ہے کیونکہ اس نفل غپاڑے کا اس پر مطابق نہیں ہوا تھا اور عالم بدستور پر سکون نظر آ رہی تھی۔

”دیکھنے! آپ اسکے پلاریس نہ پڑیے گا۔“ اس نے چھوڑی دیر بعد حمید سے کہا۔“ اس سے شیطان بھی پناہ مانگتا ہو گا۔ آپ کر اس کی باتوں میں آئے خواخواہ آپ کو

بہت

بھگلتا پڑے گا۔ یہ آئے دن ان کروں میں سر پھٹولی کراتی رہتی ہے۔“

”اچھا!“ حمید نے حیرت ظاہر کی۔

”خود ڈیڈی بھی اب اس سے حاجز ہیں۔“

”یا آپ سے چھوٹی ہیں یا بڑی۔“

”مجھ سے دو سال چھوٹی ہے لیکن جب ڈیڈی کا احترام نہیں کوئی تو میرا کیا کرے گی۔“

”ٹھیک ہے۔“ حمید سر ہلا کر بولا۔ پھر دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا ”ذرائلہ ہریے۔“

اس نے باہر نکل کر چاروں طرف نگاہ دوڑائی، جب یقین ہو گیا کہ صبیحہ اس پاس کہیں موجود نہیں ہے تو پھر لاہبری میں واپس چلا گیا۔

”دیکھنے!“ اس نے زرینہ کی مخاطب کیا۔ ”آپ ٹھیک کہتی ہیں کہ صبیحہ صاحبہ ڈاکٹر کا بھی احترام نہیں کرتیں۔ یہی نہیں بلکہ انہیں جھونٹا بھی سمجھتی ہیں۔ مجھ سے کہ رہی

تحمیں کہ نہیں و فینے والی کہانی پر یقین نہیں ہے۔“

”میں نے سنا تھا!“ زرینہ بولی۔ ”لیکن میں یہ سوچ بھی نہیں سکتی کہ ڈیلڈی جھوٹ بولیں گے وہ بہت اونچے آدمی ہیں۔“

”کیا یہ کوئی آپ کی بھی پیدائش سے قبل خریدی گئی تھی۔“
”جی ہاں۔“
”بد تیزی تو ضرور ہے۔ لیکن کیا میں آپ کی عمر پوچھ سکتا ہوں؟“
”صمر۔“ درینہ کے چہرے پر الجھن کے آثار کے آثار نظر آنے لگے۔

”میں معافی چاہتے ہوئے اپنا سوال واپس لیتا ہوں۔“ حمید نے شرمندگی کا اظہار کیا۔

”اوہ۔ اس کی ضرورت نہیں۔“ زرینہ مسکرائی ”حقیقت یہ ہے کہ مجھے اپنی صحیح عمر معلوم نہیں۔ ڈیلڈی ہم دونوں پر بھی ایک تجربہ کر رہے ہیں۔ آپ جانتے ہی ہوں گے کہ ماہر نفیات قسم کے لوگوں کو تجربات کا کتنا شوق ہوتا ہے۔ اس تجربے کی بناء پر ڈیلڈی نے ہم دونوں کو اسکول یا کالج میں تعلیم نہیں دلوائی۔“

”بھلا کیسا تجربہ ہو گا۔“ حمید نے تحریر آمیز انداز میں اپنے ہونٹ سکوڑ لئے۔

”ڈیلڈی اس موضوع پر ایک کتاب لکھ رہے ہیں کہ آدمی کو اپنی صحیح معلوم نہ ہو تو جلد بوڑھا نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے انہوں نے ہمیں اسکول میں بھی داخل نہیں کرایا تھا۔ داخل کرتے تو عمریں بھی لکھوائی پڑتیں۔ ویسے میں اتنا ضرور رجانتی ہوں کہ صبیحہ مجھ سے دوسال چھوٹی ہے، اور یہ ڈیلڈی ہی نے بتایا تھا۔ بہر حال وہ ہم دونوں پر اپنے اس نظریے کا تجربہ کر رہے ہیں۔“

”خوب! کمال ہے!“ حمید پاپ میں تمبا کو بھرتا ہوا بولا۔

”اچھا!“ وہ اٹھتی ہوئی بولی۔ ”میں آپ کو صرف اتنا بتانا چاہتی تھی کہ صبیحہ سے ہوشیار رہئے گا، ورنہ نہ وہ آپ کو کسی نہ کسی مصیبت میں ضرور پھنسا دے گی۔“ ”میں آپ کا شکر گذار ہوں۔“ ویسے میں یہ کتاب پڑھنا چاہتا ہوں۔ وقت گذاری کے طور پر سمجھ لیجئے۔“

”شوق سے پڑھیجئے۔ آدمی کی بس اپنی عقل درست رکھنی چاہیے۔“ زرینہ چالی گئی اور حمید ان دونوں بہنوں کے متعلق سوچتا رہا۔ دونوں میں کتنا اتضاد ہے۔ پھر اسے ڈاکٹر کا خیال آیا اور وہ اسے اور زیادہ یہ اسرار معلوم ہونے لگا۔ آخر یہ عمر کا کیا لطیفہ تھا۔ نفیاتی طور پر سمجھ میں آنے والی بات ضرور تھی۔ مگر... ایسی بھی نہیں کہ کسی پر اس کا باقاعدہ تجربہ کر کے کتاب لکھی جائے۔ قطعی حماقت انگیر کیا اسے تو قع ہے کہ وہ ان اڑکیوں کے بڑھاپے کی عمر شروع ہونے تک زندہ رہے گا۔ ظاہر ہے کہ اس سے قبل نہ تجربہ مکتا ہے اور نہ کتاب ہی تجھیل پاسکتی ہے۔

وہ کچھ دیر تک وہیں بیٹھا رہا پھر باہر چلا آیا۔ وہ اس تجربے کا مذکورہ فریدی سے بھی کہنا چاہتا تھا۔ لیکن فریدی اسے کہیں نہ ملا۔ وہ شام تک اس کا انتظار کرتا رہا۔ لیکن مایوسی ہی ہوئی۔ فریدی کافی رات گئے تک واپس نہیں آیا۔ ڈاکٹر نے بھی اس پر تشویش ظاہر کی اور ما تھر کوفون کیا۔ لیکن اس نے بھی فریدی کے متعلق لاعلمی ظاہر کی۔ حمید رات بھراطمینان سے خراٹے لیتا رہا۔ ظاہر ہے کہ اسے کیا تشویش ہو سکتی تھی کیونکہ فریدی یہاں کسی کام ہی کے لئے آیا تھا۔

دوسری صبح حمید خود سے بیدار نہیں ہوا بلکہ کوئی بے تحاشہ اس کے کمرے کا دروازہ پیشے جا رہا تھا اور اس کی متواتر آوازوں نے اسے جگا دیا تھا۔ اس نے اٹھ کر جلدی سے جسم پر شب خوابی کا لبادہ ڈالا اور پھر دروازہ کھوٹ دیا۔

اس طرح دروازہ پیٹنے والی صبیحہ تھی اس کے ہاتھ میں شاہد آج کا کوئی اخبار تھا۔ وہ حمید کو ایک طرف ہٹاتی ہوئی کمرے میں گھس آئی۔

”واقعی آپ کے بھائی صاحب و مدن کے کچھ معلوم ہوتے ہیں۔“ اس نے حمید کی طرف اخبار پڑھاتے ہوئے کہا۔

”دیکھئے!“ اس نے اخبار کا صندل گرا یک سرخی کی طرف اشارہ کیا۔ ”سردار محمود کی کوٹھی پر پلاسٹر دھماکہ۔ پوری کوٹھی دھوئیں سے بھر گئی۔ کسی جانی یا مالی نقصان کی اطلاع نہیں ملی۔ قرب و جوار میں کافی یہجان پایا جا رہا ہے۔ بعد کی اطلاعات مظہر ہیں کہ وہ دھوئیں کا بام تھا۔ سردار محمود کا بیان ہے کہ وہ ان کے کسی دشمن کی حرکت معلوم ہوتی ہے، لیکن انہوں نے کسی خاص آدمی پر اپنا شبہ نہیں ظاہر کیا۔“

حمدید خبر پڑھ کر صبیحہ کی طرف دیکھنے لگا۔

”اور وہ حضرات ابھی تک واپس نہیں آئے۔“ صبیحہ نے کہا۔

”نہیں آئے۔“ حمید نے خواہ مخواہ اضطراب ظاہر کرنا شروع کر دیا۔

”ڈیڈی کا خیال ہے کہ ان کے لئے پاگل خانہ ہی مناسب رہے گا اور انہیں افسوس ہے کہ انہوں نے دینے کا قصہ آپ لوگوں کو کیوں بتایا۔“

”مجھے جانا چاہئے۔“

”کہاں؟“

”بھائی صاحب کی تلاش میں۔“

”آپ صرف دو ہی بھائی ہیں۔“

”جاسیدا و یقیناً بڑی ہو گی اور بینک بیلفس بھی۔“

”جی ہاں! خدا کے نصل سے بہت کچھ ہے۔“

”تب پھر آپ انہیں مر ہی جانے دیجئے۔“

”کیا الغویت ہے؟“ حمید نے غصہ ظاہر کیا۔

”لغویت نہیں۔ ان کے مرجانے پر آپ جائیداد کے تھا مالک ہوں گے۔“
”آپ کو اس قسم کی فضول باتیں نہ کرنی چاہئیں۔“

”حالانکہ میں نے آپ کے فائدے ہی کی باتیں کی ہے۔“

”تو اس طرح آپ محترمہ ذریثہ کی موت کی بھی خواہش مند ہوں گی۔“

”یقیناً میرابس چلتے تو میں اسے آج ہی مارڈالوں۔“

”ڈاکٹر کے سامنے یہی الفاظ دہراتے گی ہفت ہے۔“

”اوہ! ڈیڈی!“ صبیحہ مصلحہ اڑانے والے انداز میں لنسی۔ انہیں تو جب چاہوں زہر دے دوں۔“

”اچھا اچھا! میں ڈاکٹر کو سب کچھ بتاؤں گا۔“

”وہ تو بعد کی بات ہے۔ آپ لوگ اپنے بچاؤ کی فکر کیجئے۔ میں پولیس کی اطلاع دینے جاتی ہو کہ دھوئیں کا بم پھینکنے والا کون ہے۔“

حمدید اس کی سنجیدگی دیکھ کر بوکھلا گیا۔

”مجھے سردار محمود سے ہمدردی ہے۔ ڈیڈی خوانخواہ ایک شریف آدمی پر الزام رکھ رہے ہیں۔ ہ سکتا ہے کہ سردار صاحب نے کبھی کوئی خریدنے کی خواہش ظاہر کی ہو لیکن اس بات کا ڈیڈی کے پاس کیا ثبوت ہے کہ ان حرکتوں میں انہیں کا ہاتھ ہے۔“

حمدید میز کے گوشے پر بیٹھ کر صبیحہ کو بغور دیکھنے لگا۔ ویسے اس نے اپنے چہرے پر سرمگی کے سارے آثار پیدا کر رکھے تھے۔

اور آپ کے بھائی صاحب سو فیصدی پا گل معلوم ہوتے ہیں۔ ”صبیحہ پھر بولی۔“
”میں انہیں پا گل خانے ضرور بھجواؤں گی! اور آپ جیل کے منتظر رہئے۔“

”میں نے کیا کیا ہے۔“ حمید نے خوفزدہ آواز میں پوچھا۔

”آپ نے...“ وہ حمید کے قریب پہنچتی ہوئی بولی۔ ”خیر میں آپ کو معاف کرتی ہوں، آپ پر مجھے نہ جانے کیوں رحم آتا ہے؟“

اچانک وہ حمید کے سر پر ہاتھ پھیر نے لگی اور حمید نے موج میں آ کر آنکھیں بند کر لیں۔ صبحہ سر سہلاتے سہلاتے گال بھی سہلانے لگی۔ پھر حمید کا کیا پوچھنا وہ خود کو تخت سلیمان پر محسوس کرنے لگا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں تخت الشر کی کی بھی سیر کرنی پڑی۔ کیونکہ صبح نے گال سہلاتے سہلاتے اچانک ایک بھر پورہاتھر سید کر دیا تھا اور پھر اس کے سنجانے سے پھر لے آئی وہ وہاں سے ہوا ہو گئی۔ حمید ایک ہاتھ داہنے گال پر کھٹے اور بر اسامنہ بنائے بھائیتے ہوئے قدموں کی آواز سن رہا تھا۔

اس کا دل چاہ رہا تھا کہ دوسرے گال پر اپنے ہی ہاتھ سے تھپٹر سید کر لے۔

اچانک ڈاکٹر کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ایک اخبار تھا۔

”تم نے دیکھی وہ خبر۔“ ان نے آتے ہی کہا۔ اس کے لمحے میں سرت آمیز روزش تھی۔

”جی ہاں دیکھ لی۔“ حمید نے اپنا موڈٹھیک کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہ ”میں جانتا ہوں بھائی نے جو کچھ کہا ہے کر گزریں گے۔“

”یہ بہت اچھا ہوا۔ لیکن کمال صاحب ہیں کہا۔“

”یہ بہت اچھا ہوا۔ لیکن کمال صاحب ہیں کہا۔“

”پتہ نہیں! مجھے تشویش ہے۔ ویسے ان کی ڈینی حالت کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔“

”ٹھیک ہے۔ ویسے انہیں صرف سنگی کہا جاسکتا ہے پاگل نہیں۔ انہیں تلاش کرنا چاہیے۔ اب کوئی ایسی حرکت ہونی چاہیے جس سے سردار محمود کو علم ہو جائے کہ اس دھماکے کا تعلق میری ذات سے ہے۔ ایسا ضرور ہونا چاہیے۔“



نمبر چوالیس ۳۴

محض دکھاوے کے لئے حمید فریدی کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ ورنہ اسے ذرہ برابر بھی تشویش نہیں تھی۔ البتہ وہ سردار محمود کے متعلق معلومات فراہم کرنا ضروری سمجھتا تھا۔

فریدی کو ڈاکٹر کی کہانی پر یقین نہیں آیا تھا لیکن اس کے باوجود بھی اس نے سردار محمود کے خلاف حرکت کر دیا تھی۔ یہ بات حمید کی آجھے میں نہ آسکی۔ دوسری طرف اسے ڈاکٹر سے زیادہ اس کی رُکیاں پر اسرا معلوم ہوا رہی تھیں۔ اور صبیحہ اسے تو وہ ایک اچھا سبق دینا چاہتا تھا۔

وہ تمام دن باہر رہا۔ شام کو اس نے سوچا کہ ماہر سے بھی ملتا چلے ممکن ہے فریدی سے ہیں ملاقات ہو جائے۔ اس کا خیال درست نکلا۔ فریدی ماہر کے بنگلے میں موجود تھا اسے اچھے موڑ میں تھا۔ حمدی نے اسے سارے واقعات سے آگاہ ہوئے کہا۔ ”اب ڈاکٹر چاہتا ہے کہ سردار محمود اس بات سے آگاہ ہو جائے کہ وہوئیں کے بم کا تعلق اسی کی ذات سے تھا۔ یہے صبیحہ کو دینے والی کہانی پر بالکل یقین نہیں

“

”میں اسے بھی کوئی اہمیت نہیں دیتا۔“ فریدی نے لاپرواں سے کہا۔ ”پھر آپ نے سردار سردار محمود کی کوئی میں بم کیوں پھنس کا تھا۔“
”وہ تو آج بھی پھنس کا جائے گا۔“

”آخر معاملہ کیا ہے؟“

”تم فی الحال اس کی فکر نہ کرو۔ اگر ہو سکتے تو کل ڈاکٹر کو گھر سے باہر رہ نہ لکھنے دینا مگر نہیں... یہ تمہارے بس کی بات نہیں۔ خیر میں ہی کوئی انتظار کر لوں گا لیکن تم اس کے فون میں تو کچھ نہ کچھ خرابی پیدا ہی کر سکو گے۔“

یہ بہت ضروری ہے۔ خواہ خواہ تمہیں اس کے تاریخی کیوں نہ کاٹنے پڑیں۔“

”آخر کیوں؟“

”کل میں پاگل خانے کی سیر کرنا چاہتا ہوں۔ وہ وہاں کے انتظامی امور میں بھی دخیل ہے اور اس کی علمی میں کوئی باہری آدمی پاگل خانے میں نہیں داخل ہو سکتا۔ خواہ وہ کوئی سرکاری آفیسر ہی کیوں نہ ہو۔ پاگل خانے میں داخل کے اجازت نامے پر اس کے دخیل ہونے ہر حال میں لازمی میں ہے۔“

”میں سمجھ گیا۔“ حمید سر ہلا کر بولा۔ ”اچھا! میں اس بات کو شش بھی کروں گا کہ وہ کل گھر سے باہر نکلنے ہی نہ پائے۔“

”وہ کیسے روکو گے؟“

”نہایت آسانی سے! آپ یہی چاہتے ہیں تا کہ کل وہ نہ تو پاگل خانے جائے اور نہ فون پر گفتگو کر سکے۔“

”ہاں میں یہی چاہتا ہوں۔“

”تو یہ جائے گا۔ میں آج ہی رات کو اس کی دونوں لڑکیوں سمیت غائب ہو جائے گا۔“ حمید نے سنجیدگی سے کہا اور فریدی اپنے دامنے ہاتھ کی مٹھی کر گھونسہ بنانے لگا۔ لیکن خلاف توقع اس نے بہت زرمی سے کہا۔ ”میں اس معاملے میں تم سے سنجیدگی کی توقع رکھتا ہوں۔“

”فرض کردا گر لڑکیاں نہ ہوتیں تو تم کیا کرتے۔“

”ایک منٹ کے لئے بھی وہاں نہ ٹھہرتا۔“

”مذاق ختم کرو۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”تم اس سے کہہ دینا کہ وہ کل گھر سے باہر نہ نکلے۔ اسی طرح سردار محمود کو دھماکے معاملے کے متعلق یقین دلا یا جا سکتا ہے کہ وہ اسی کا کام تھا! سمجھے... اور اس کے بعد تم ٹیلیفون کے تار تو کاٹ ہی سکتے ہو!“

”پھر دن بھر میں کیا کرتا رہوں گا۔“

”جو کچھ آج کرتے رہے ہو،“ بس رب دفع ہو جاؤ۔“

حمدید دفع ہو جانے کے باوجود بھی سیدھا اکثر کی طرف نہیں گیا۔ کافی رات گئے ہو ٹلوں اور رستورانوں کے چکر کا شمار ہا اور پھر جب کوئی پہنچا تو ڈاکٹر کو اپنا منتظر پایا۔

”کچھ پتہ چلا!“ ڈاکٹر کی آواز میں کلپاہٹ تھی۔

”جی ہاں ملے اور عجیب حال میں ملے۔ مجھے تو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آتا۔ وہی بھائی صاحب جو آسفورڈ یونیورسٹی کے گرینجوبیٹ ہیں خدا کی پناہ!... حمید اپنا منہ پیٹ کر خاموش ہو گیا۔“ ڈاکٹر کا شتیاق بڑھ گیا۔

”آن کے جسم پر امریکن غنڈوں کا سال بس تھا اور وہ ایک بدنام قسم کے ہوٹل میں چند لفٹنگوں کے ساتھ تاش کھیل رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر انہیں لکھت غصہ آگیا اور ان کے ساتھ اپنی آتنین سمیئے لگے۔ ایک نے ان سے

کہا بھی کہ استاد کہو تو ہاتھ صاف کروں، لیکن وہ مجھے الگ لے گیا اور بتایا کہ آج رات کو پھر سردار محمود کی کوٹھی میں دھویں کا بم پہنچنا جائے گا اور ڈاکٹر سے کہ دینا کہ کل دن بھر کوٹھی سے کمپاؤنڈ میں بھی نکلیں؟“

”کیوں؟ ڈاکٹر کی حیرت بڑھ گئی۔

”پہنچنیں۔ انہوں نے پوری بات نہیں بتائی۔ البتہ یہ ضرور کہا تھا کہ اسی طرح سردار محمود کو یقین دلایا جا سکتا ہے کہ اس معاملے میں ڈاکٹر ہی کا باتھ ہے۔“ بہت خوب۔ بہت خوب۔ یہاں دش ضروری تھا۔ کل میں باہر نہیں نکلوں گا۔ اور کچھ؟“

”اور وہ سری اہم بات میں خود کہنا چاہتا ہوں۔“

”وہ کیا؟“

”محترمہ صبیحہ آپ کی ٹوہ میں رہتی ہیں۔“

”کیا مطلب؟“ ڈاکٹر یک بیگ چونک پڑا۔ اس کا اندازہ جانے کیوں حمید کو بہت پر اسرار معلوم ہوا۔

”نہیں دینے والی کہانی پر یقین نہیں ہے مجھ سے کہہ رہی تھیں کہ تم یہ قوف ہو اگر تمہیں اس پر یقین آجائے۔“

”اوہ...!“ ڈاکٹر کے چہرے پر اطمینان نظر آنے لگا اور وہ نہ کہا۔ وہ شیطان ہے۔ یہ بات تو وہ مجھ سے بھی کی بارگہ چلی ہے۔ تم اس کی باتوں میں نہ آنا۔ بہت شری ہے۔“

حمید نے پھر یہ بات آگئی نہیں بڑھائی۔ وہ ڈاکٹر کے رویے پر غور کرنے لگا۔ آخر وہ اس بری طرح چونکا کیوں تھا اور پھر پوری بات سن لینے کے بعد مطمئن بھی نظر آنے لگا تھا۔ اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ اس معاملے کو چھوڑ کر کوئی دوسرا معاملہ بھی ہو سکتا ہے جس کے لئے صبیحہ کا اس کی لڑوہ میں رہنا غیر متوقع ہی نہیں بلکہ ناممکنات میں سے ہو۔

صبیحہ کے بارے میں سوچتے وقت حمید کو اس کا تھپڑا دا آگیا اور وہ سوچنے لگا کہ اس سیاس کا بدلہ کس طرح لیا جائے۔ وہ سوچتا رہا اور اسے نیند آگئی۔

دوسری صبح ٹھیک آٹھ بجے اس نے ٹیلیفون کے تارکاٹ دیئے۔ ڈاکٹر نے ابھی تک سچ مجھ کوٹھی سے باہر قدم نہیں نکالا تھا اور حمید کو موقع تھی کہ وہ فریدی کے ہر مشورے پر عمل کرے گا البتہ اسے ٹیلیفون کی فلکر ضرور تھی۔ تارکاٹ اس لئے کٹوانے گئے تھے کہ ڈاکٹر فون پر بھی کسی

سے رابطہ نہ قائم کر سکے لیکن یہ ضروری تو نہیں تھا کہ وہ اپنے فون سے کام نہ لے سکتے کی بناء پر وہ وقت ضرورت ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہتا۔ اپنے فون کی خرابی کی اطلاع وہ کسی دوسری جگہ سے بھی ٹیلیفون کے مجھے کو دلو سکتا تھا۔ ایسی صورت

میں تارکانے کے علم اسے یقینی طور پر ہو جاتا... پھر... حمید سوچتا اور الجھتا رہا لیکن
ہتھیقت ہے گیا رہ بجے تک ڈاکٹر نے فون استعمال کرنے کی ضرورت ہی نہیں محسوس
کی۔

آج حمید اڑکیوں سے دور ہی دور رہنا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر صبیحہ سے
ملاقات ہو گئی تو مستقل طور پر پیچھا پکڑ لے گی اور حمید ڈاکٹر کی نگرانی نہ کر سکے گا۔
نگرانی کا خیال بھی نیا نہیں تھا۔ یہ کہنا قطعی غلط ہو گا کہ حمید ڈاکٹر کی طرف سے مطمئن
تھا کیونکہ اسے ابھی تک اس بات پر یقین نہیں آیا تھا کہ وہ ان دونوں پر اعتباً کرنے
لگا ہے۔ تقریباً اپنے بجے ایک کار کیا اونٹ میں واٹل ہوئی۔ ایک آدمی اس میں سے اتر
کر پورچ کی طرف دوڑنے لگا۔ اس نے بڑے گھبراۓ ہوئے ہیمیں ایک انور کے
ڈاکٹر کے متعلق پوچھا اور اسے بات پر مصروف ہوا کہ اسے براہ راست ڈاکٹر کے پاس پہنچا
دیا جائے۔ راستے میں حمید سے مدد بھیڑ ہو گئی۔ اس نے اس آدمی کو غور سے دیکھا اور
پہلی نظر میں کھٹک گیا۔

ڈاکٹر لاہبری میں تھا۔ حمید جلدی سیراہداری سے نکل کر لان پر آیا اور باہر ہی باار
لاہبری کی پشت پر بیٹھ گیا۔ اب وہ ٹھیک اس کھڑکی کے نیچے تھا جس کی دوسری
طرف ڈاکٹر ایک آرام کسی میں لیٹا ہوا کوئی کتاب پڑھ رہا تھا۔

”کیوں کیا بات ہے!“ ڈاکٹر کی آواز صاف سنائی دی۔ اس کے لمحے میں
استجواب تھا۔ حمید بالکل کھڑکی سے لگ کر کھڑا ہو گیا، جو اس کے سر سے تقریباً ایک
بالشت اوپنچی تھی۔

”نمبر چوالیس کی حالت بہت خراب ہے۔ اسے کسی نے زہر دیا ہے۔“
”زہر دیا ہے!“ ڈاکٹر نے دہرا یا۔

”جی ہاں اور محکمہ سرافرستی کا ایک آفیسر وہاں موجود ہے۔“

”تو تم نے سب سے پہلے پولیس کو اطلاع دی تھی۔“ ڈاکٹر کا الجہنا خوشنگوار تھا۔

”نہیں جناب... وہ آفیسر بہت مشہور آدمی ہے اور وہ خود ہی آج صحیح نمبر

چوالیس کے متعلق پوچھ کرنے کے لئے وہاں آیا تھا۔“

”نہیں جناب... وہ آفیسر بہت مشہور آدمی سے اور وہ خود ہی آج صحیح نمبر چوالیس

کے متعلق پوچھ کرنے کے لئے وہاں آیا تھا۔“

”نہیں جناب... وہ آفیسر بہت مشہور آدمی ہے اور خود ہی آج صحیح نمبر چوالیس کے

متعلق پوچھ کرنے کے لئے وہاں آیا تھا۔“

”خود ہی آیا تھا،“ ڈاکٹر نے حیرت سے دہرا�ا۔ ”اور وہ کوئی مشہور آدمی ہے۔“

”جی ہاں... کریل فریدی۔“

”کریل فریدی!“ کرسی کھلانے کی آواز نے آئی شاید ڈاکٹر کھڑا ہوا گیا تھا۔

”اور جناب! کریل فریدی ہی نے ہمیں یہ بات بتائی تھی کہ اسے زہر دیا گیا ہے۔“

”

”بیٹھ جاؤ۔“ ڈاکٹر مضطربانہ انداز میں بولا۔ ”تمہاری باقی میربط ہیں آخر کریل

فریدی وہاں کے پہنچ گیا۔“

”بس وہ وہاں آیا۔ ڈیوٹی انچارج سے مل کر اس نے اس کے متعلق پوچھا گچھ کی

اور سیدھا اس کی کوٹھری کی طرف چلا گیا۔ ظاہر ہے کہ

انچارج اسے کیسے روکتا۔ وہ کوئی معمولی آدمی تو ہے نہیں۔ بہر حال جب وہ اس کی

کوٹھری میں پنچا تو وہ بیہوش پڑا تھا۔ کریل ہی نے یہ بات سب سے پہلے محسوس کی کہ

اسے زہر دیا گیا ہے۔ میں نے آپ کو فون کیا لیکن شاید آپ کافون خراب ہے۔

انکوارری سے یہی معلوم ہوا تھا۔ پھر سیدھا نیمیں چلا آیا۔“

”نہیں فون تو ٹھیک ہے!“ ڈاکٹر نے کہا۔ ”خیر کریل فریدی وہاں موجود ہے یا چلا

گیا!“

موجود ہے۔“

”تمہارا کیا خیال ہے۔ نمبر چوالیس فتح جائے گا... یا...“

”کچھ کہا نہیں جا سکتا۔“

”اچھا! تم اپنی زبان بالکل بند رکھنا۔ تمہارے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا کہ اسے میں نے ہی پا گل خاتمے میں داخل کیا تھا۔“ ”میری زبان بالکل بند رہے گی۔ آپ مطمئن رہیں۔“

کچھ دیر تک خاموش رہی چھر ڈاکٹر نے کہا۔ ”اب تم وہیں واپس جاؤ۔ جیسے ہی کریل وہاں سے رخصت ہو۔ مجھے فون پر اطلاع دینا۔ میں دیکھوں گا کہ فون میں کیا خرابی ہے۔“

جمید کھڑکی کے پاس سے ہٹ آیا۔ اس کی دانست میں اب کوئی کھلا نہیں تھا۔ ڈاکٹر فریدی کی موجودگی میں وہاں جانے سے رہا۔ اب اس کی بھی ضرورت نہیں کہ ڈاکٹر کو فون کی خرابی سے لاعلم رکھا جائے۔

جمید پورچ میں کھڑا تو وارد کی کار کو پھاٹک سے نکلتے دیکھتا رہا۔ ڈاکٹر ابھی تک لاہبری ہی میں تھا۔ جمید پہلے تو اس کمرے میں گیا جہاں فون رکھا ہوا تھا۔ پھر لاہبری کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے بھر وہ اپنے چہرے پر بد خواہی کے آثار پیدا کرتا رہا۔

پھر لاہبری میں داخل ورتبے ہی لکھا رہا۔ ”ڈاکٹر کسی نے ٹیلیفون کے تار کاٹ دیئے ہیں۔“

ڈاکٹر نے بڑے پرسکون انداز میں اس کا یہ جملہ سنایا اور پھر اس کے ہونٹوں پر ایک نظر آمیز مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ لیکن وہ پھر کہے بغیر مطالعہ میں مصروف ہو گیا۔

جمید چپ چاپ کھڑا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کہے وہ سوچنے لگا کہ کیا ڈاکٹر قبح اس کی حرکتوں سے واقف ہے۔ اس کی مسکراہٹ اور لاپرواںی

کے اظہار کا تو یہی مطلب ہو سکتا ہے۔

”اب اور کیا کہنا چاہتے ہو۔“ ڈاکٹر کتاب بند کر کے عینک کے اوپر سے حمید کی طرف دیکھا ہوا بولا۔

”کچھ نہیں!“ حمید نے خشک لبجے میں کہا۔ ”میرا خیال تھا کہ یہ معاملہ اتنا غیر اہم نہیں ہو سکتا جسے اس طرح رواداری میں ٹال دیا جائے۔“

”ٹھیک ہے۔ لیکن اب اس کے علاوہ چارہ بھی نہیں۔ وہیے اگر تم تاروں کو درست کر سکو تو میں تمہارا مشکوڑ ہو گا۔ سلامت ہے ہو۔ وہ تار ہمیا کر دے گا۔“ ڈاکٹر نے پھر کتاب کھولی اور حمید وہاں سے چلا آیا۔

تاروں کی درستگی میں تیس منٹ سے زیادہ نہیں لگے۔ حمید اس دوران میں اسنواواد کے متعلق سوچتا رہا تھا، اور وہ خبر...! زہر کے دیا گیا تھا۔ کیا اسی پاگل کو جس کے لئے فریدی رام گڑھ آیا تھا لیکن یہ حیرت انگیز بات نہیں تھی کہ آج ہی فریدی نے اس تک پہنچا چاہا اور آج ہی اسے زہر دے دیا گیا؟ لیکن وہ زہر دینے والا کون ہو سکتا ہے؟ اور ان معاملات میں ڈاکٹر نجیب کی کیا حیثیت تھی؟ حمید اس گھنٹی کو نہ سمجھا سکا۔ فون کوٹھ کرنے کے لئے وہ پھر کمرے میں آگیا۔ اب وہ ٹھیک ہو گیا تھا۔

حمدی خیالات میں کھویا ہوا میز کے گوشے سے نک گیا۔ آخر وہ کون تھا جس کے لئے فریدی کو یہاں تک آنا پڑا۔ اس نے کسی کے اغواء کا بھی تذکرہ کیا تھا لیکن پوری بات نہیں بتائی تھی۔ لیکن ڈاکٹر نجیب... وہ اس پاگل سے بھی زیادہ پراسرار معلوم ہوتا تھا۔ پاگل کے زہر دینے جانے سے زیادہ اس نے وہاں فریدی کی موجودگی پر پتشریش ظاہر کی تھی۔ آخر کیوں؟

اچانک فون کی گھنٹی بجی اور حمید نے رسیور اٹھا لیا۔

”چیلو!...“

”ڈاکٹر نجیب!“ دوسرا طرف سے آواز آئی۔

”ہاں۔ میں ہی ہوں۔“ حمید نے بھرتی ہوئی آواز میں کہا۔

”نمبر چوالیس مر گیا اور کرنل یہ کہہ کر چلا گیا تھا کہ وہ ابھی یہاں کے مقامی کام کو لا کر با صابطہ کارروائیوں کی تینیل کرے گا... مگر...“

”مگر کیا؟“ حمید نے پوچھا۔

”اس کے جانے کے ٹھیک پندرہ بعد ایک دوسرا کرنل فریدی وصمنا ہے۔“

”۔۔۔“

”کیا مطلب!“

”ایک دوسرا آدمی جو خود کو کرنل فریدی طاہر کرتا ہے۔ میں نے اسے فی الحال روک لیا ہے۔ آپ جو کچھ کہیں کیا جائے۔ یہ آدمی نو عمر ہے اور اسے کسی طرح بھی کرنل فریدی نہیں تسلیم کیا جا سکتا!“

”تم میری آواز کی بہت اچھی نقل کر رہے ہو۔“ ڈاکٹر نجیب نے کہا، جو کمرے کے دروازے میں کھڑا حمید گھور رہا تھا۔ حمید جلدی سے ریسور کر کر ہر قسم کے خطرے کے لئے تیار ہو گیا۔

ڈھوکا اور فار

فون کی گھنٹی پھر بجی، لیکن اس بار حمید نے رسیور نہیں اٹھایا۔ ڈاکٹر بھی جہاں تھا وہ ہیں کھڑا رہا۔ گھنٹی بجتی رہ۔ آخر ڈاکٹر نے کہا۔
”دیکھو! کون ہے؟“

حمدید کو اس پر تغیر ہونے کا موقع بھی نہ مل سکا اور اس نے رسیور اٹھایا۔ البتہ اس نے ڈاکٹر کوچ مچ جیرت میں ڈال دیا کیونکہ اس بار اس کی آواز عورتوں کی سی تھی۔ یہ آواز نہ صرف نسوانی بلکہ صبور کی آوازو سے مشاہدہ بھی تھی۔

”ہاں... ڈاکٹر موجود ہیں! لکھ بھیتے!“ حمید ماڈ تھپیں میں کہہ کر ڈاکٹر کی طرف مڑا۔ اس کے ہونٹوں پر شرات آمیز مسکراہت تھی لیکن ڈاکٹر کے ہونٹ خشک ہو گئے تھے اور وہ جلدی جلدی پلکیں جھپکا رہا تھا۔ اس نے حمید ہاتھ سے رسیور لے لیا۔

”ڈاکٹر نجیب اسمیلانگ... اوہ... کیا... کیسی لاش... اچھا اچھا... ہاں... ہاں... خیر کوئی فکر نہ کرو۔ بس تمہاری زبان بند کرنی چاہیے۔“

ڈاکٹر نے رسیور رکھ دیا اور ایک کرسی میں گر کر اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ حمید

ٹھیک اس کے سامنے بیٹھا سر کھجا تارہا تھا۔ اچانک ڈاکٹر نے اسے مخاطب کیا
”پہلے تم نے فون رسیو کیا تھا۔“

”کال آپ ہی کی تھی۔“ حمید نے شرمندگی ظاہر کرنے والے لمحے میں کہا۔
”کون تھا۔“

”اس نے اپنا تام نہیں بتایا مگر پیغام عجیب تھا۔“
”کیا تھا؟“

”اوٹ پٹا گنگ۔ کہنے لگا نمبر اکیا وہ یا اکتا لیس یا اور کوئی نمبر... مجھے نمبر یا دنیہیں بہر حال وہ نمبر مر گیا۔ ایک کرنل سعیدی چلا گیا اور اب دوسرا کرنل سعیدی آیا ہے۔“

کر قل سعیدی یا اور کچھ نام کے متعلق میں یقین کے ساتھ نہیں کہ سکتا کہ وہ مجھے صحیح یاد ہے۔“

”تم نے فون کے تاریکوں کاٹے تھے۔“ ڈاکٹر کے لجے میں بخت پیدا ہو گئی۔

”تاکہ مجھے ان کی مرمت کرنی پڑے۔“ حمید نے خشک لجے میں جواب دیا۔

”میں بہت زیادہ ہی یو توف نہیں بن سکتا۔“

”یا آپ کی مرضی پر تھا ہے۔“ حمید نے لاپرواں سیکھا۔

”اگر یقین نہ کرنا چاہیں تو آپ کو دنیا کی کوئی طاقت یقین نہیں دلا سکتی۔“

”تو گویا تم اب بھی یہ کہنا چاہتے ہو کہ تم لوگ میرے ساتھ کوئی چال نہیں چل رہے ہو۔“

”میں مرتبے دم تک آپ کو اپنی نیک نعمتی کا یقین دلاتا رہوں گا۔“

ڈاکٹر چند لمحے کچھ سوچتا رہا۔ پھر اس نے کہا۔ ”اچھاتو میں ابھی امتحان کے لیتا ہوں۔ آؤ میرے ساتھ ... چلو اٹھو۔“

حمدیہ اٹھ کر اس کے ساتھ ہو لیا۔

ڈاکٹر اسے عمارت کے باہر نہیں بے گیا۔ لیکن پھر بھی حمید کو کافی چلنار پڑا کیونکہ عمارت کا پھیلاو بہت زیادہ تھا۔ بالآخر وایک کمرے کے سامنے رک گئے جس کا دروازہ بند تھا۔ ڈاکٹر نے آگے بڑھ کر دروازے پر نظریں جمادیں۔ پھر تھوڑی دیر بعد حمید کی طرف کڑ کر بولا۔ ”کیا تم اس تحریر کو پڑھ سکتے ہو۔“

”یہ تحریر۔“ ڈاکٹر نے دروازے پر ایک جگہ انگلی رکھ کر کہا۔

حمدیہ اتنا آگے بڑھا کہ دروازے پر بالکل لگ گیا لیکن اب بھی اسے کوئی تحریر نہ دکھائی دی۔ پھر وہ کوئی چبھتا ہوا جملہ کہنے کے لئے مرنے ہی والا تھا کہ ڈاکٹر نے پیچھے سے اسے ایک زور دار دھکا دیا۔ کیواڑ خود بخود کھلے اور حمید منہ کے بل کمرے میں جا گرا۔ دروازہ خود بخود پھر بند ہو گیا اور حمید نے سنبھلنے سے پہلے ہی تالے

میں کنجی گھومنے کی آواز سنی۔“

جمید اٹھ کر دروازے پر گلکریں مارنے لگا۔ لیکن دروازہ کمزور نہیں تھا۔ اس نے ڈاکٹر کو آوازیں دیں، لیکن جواب نہ مدار و پھر وہ تاؤ میں آگر زبانی طور پر اس سے ایک گندہ س رشتہ قائم کرنے لگا۔ لگر شامکد ڈاکٹر جا چکا تھا۔

یہ کمرہ نہیں بلکہ ایک لوٹھری تھی اور اس میں صرف یہی ایک دروازہ تھا، جس سے جمید اندر داخل ہوا تھا جھوٹی ہی دیر میں اسے گھشن کا احساس ہونے لگا۔ عمارت کا یہ حصہ دورافتادہ تھا جمید کو تو فتح نہیں تھی کہ کوئی فوکر بھی اس کی گوازن سکے، لہذا اُن غپاڑہ بند کر کے وہ نہایت سنجیدگی سے

حالات پر غور کرنے لگا۔ ایسے موقع پر غور کرنے کے علاوہ اور کوئی خلمندی سر زر نہیں ہو سکتی۔ بہر حال جمید کے غور و فکر کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا کہ محض فریڈی کی وجہ سے یہ دن دیکھا پڑا۔ اگر وہ اسے صحیح واقعات سے باخبر رکھتا تو اس کی نوبت کیوں آتی۔ وہ بہر حال ہوشیار رہتا۔ زیادہ نہیں تو صرف ڈاکٹر کی پوزیشن واضح کر دی ہوتی۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔

گھٹری اس کی کلائی پر موجود تھی لہذا وہ پہ آسانی اس بویت کی عمر طویل کا اندازہ کر سکتا تھا۔

وہ پہر کا کھانا قائم۔ سہ پہر کی چائے مدار و اور اب گھٹری چھ بجارتی تھی۔ جمید نیقطے یہ نہیں سوچا کہ اس وقت غروب آفتاب کا منظر بڑا حسین ہو گا۔ وہ تو اب صرف رات کے کھانے کے متعلق سوچ رہا تھا اور یہ سوچ رہا تھا کہ اگر رات اسی کوٹھری میں بسر کرنی پڑی تو مجھرا پنے آبا و اجداد تک کے خون کا انتقام لے ڈالیں گے۔ اس کے ذہن میں نہ توزرینہ کی سنجیدگی کی تصویر تھی اور نہ صبیحہ کے چنچل پن کی تصویر... اس وقت تو معدہ دماغ سے بھیک مانگ رہا تھا اور دماغ پر ایک بہت بڑا بیک جس میں سے خیرات بھی لکائی جاسکے۔

سات نج کر چھ منٹ پر ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی اسے پکار رہا ہو

پہلے تو سمجھا کہ یہ بھی حالی معدے کی اختراض ہے لیکن پھر یقین آگیا۔ آواز دوڑ کی تھی۔ کبھی وہ قریب سے آتی ہوئی معلوم ہوتی اور کبھی دور ہو جاتی اور پھر حمید نے اسے پہچان لیا۔ وہ فریدی کی آواز تھی۔ حمید دونوں ہاتھوں سے دروازہ پیٹ پیٹ کر حلق پھاڑنے لگا۔

راہداری دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سے گونج آئی۔

”حمدی!“ فریدی نے پھر آواز دی اور شاکرانب وہ اسی کوٹھری کے دروازے پر تھا۔ ”لاشیں جواب نہیں دیا کرتیں۔“ حمید حلق پھاڑ کر چینا۔ پھر پانچ منٹ بعد تمہارے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”اوہ میرا ہی موجود ہوتا آپ کو شاق گذر رہا ہے تو پھر بتا دیجئے غیر موجود یا نام موجود کچھ بھی قواعد کے رو سے کہتے ہوں۔“

”ڈاکٹر اور اس کی لڑکیاں کہاں ہیں۔“

”لڑکیاں میرے دل و دماغ میں محفوظ ہیں۔ باقی بچاڑا کٹر تو اسے جہنم میں جھوٹکیئے۔“

”حمدی سنجیدگی سے گفتگو کرو۔“ فریدی نے زم لجھے میں کہا۔

”میں بہت شدت سے بور ہوں۔“ حمید بیدلی کا اظہار کرتا ہوا بولا اور آپ کے کسی سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔“

”نوکر بھی غائب ہیں۔“ فریدی بڑ بڑا ایسا۔ ”مجھے اس کی توقع نہیں تھی۔“

”وہ باور چی خانے میں ہوں گے۔“ حمید نے کہا۔

”نہیں میں تمام دیکھ چکا ہوں۔“

”لیکن تم یہاں... کیا وہ تمہیں قید کر گئے تھے۔“

”اچی نہیں تو بے کچھ! آئیے تو میرے ساتھ۔“

فریدی اس کیستھے چلنے لگا۔ وہ دونوں باور پیشی خانے میں آئے اور حمید نعیت جانے پر ٹوٹ پڑا۔ اس میں کھانے کے لئے بہت کچھ تھا۔

”دیکھیے! آپ جب تک تلاش کیجیئے۔“ حمید کیک کا ایک بڑا سماں مکاراٹھوں کر منہ چلاتا ہوا بولا۔

”کیا بیہودگی ہے؟“ فریدی جھالا گیا۔

”اگر پیٹ بھرنا بیہودگی ہے تو میں اس زندگی پر ہزار بار لعنت بھیجا ہوں۔“

”تو اس کا یہ مطلب ہے کہ تم کافی دیر تک وہاں بند رہے ہو۔“ فریدی غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

”ہاں۔ پرواہ نہیں۔ میں ایک بجے سے وہاں مراثیہ میں تھا... کیک لذیذ ہے۔“

”اچھا پہلے تر زہر مار کر لو پھر کچھ بتانا۔“

”خدا آپ کا ہاضمہ ہمیشہ درست رکھے۔“ حمید نے ہاتھا اٹھا کر دعا دی۔

”فریدی کی آنکھوں سے نیچنی متر شیخ تھی۔

یہ لاسر افریدی کون تھا۔“ حمید نے پوچھا۔ اس کا منہ برابر چل رہا تھا۔ ”تم جانتے ہو۔“

”ہاں!“ فریدی ایک طویل سانس لے کر بولا۔ ”چوت ہو گئی۔ میں نے معاملات کو اچھی طرح سمجھے بغیر طریق کا منعین کر لیا تھا۔ اسی کا نتیجہ ہے۔“

”ہوا کیا۔“

”کسی نے کرنل فریدی بن کر پاگل خانے میں داخلے کا پاس حاصل کیا اور وہاں جا کر اس پاگل تک رسائی حاصل کی تلاش مجھے تھی اور پھر غالباً زبردستی اسے زہر کا نجکشن دے دیا۔“

”پھر جب آپ پہنچ تو کیا ہوا۔“

”جب تک کہ ماہر نے وہاں پہنچ کر تصدیق نہیں کر دی۔ وہ لوگ مجھے دھوکہ باز

سمجھتے رہے۔ میں نے وہیں سے فون کر کے ماتھر کو بلایا تھا۔“

”یہاں ڈاکٹر نے میری جامت بنادی۔“ حمید نے کہا اور آج کے سارے واقعات دہرانے لگا۔

”کیا تم اس آدمی کو پہچان لو گے، جو یہاں آیا تھا۔“ فریدی نے کہا۔

”تینا پہچان لوں گا۔ میرا خیال ہے کہ وہ پاگل خانے ہی کا کوئی ڈاکٹر تھا۔“

”ہوں!... اچھا!... فریدی کچھ سوچنے لگا۔

”اب آپ بھی مجھے صحیح حالات سے آگاہ نہ کریں گے۔“

”نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس بارہ تین ہیں کسی چونی والے جاسوس ناول کا مزہ آجائے۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔

”اچھا! یہی بتاؤ تھیئے کیا ڈاکٹر ہماری وجہ سے فرار ہوا ہے۔“

”بیباڑی طور پر تو یہی بات ہے لیکن خود ڈاکٹر کے ذہن میں بھی یہ بات نہ ہو گی کہ وہ ہماری وجہ سے فرار ہو رہا ہے۔ اس کے فرار کی وجہ حقیقتاً پاگل کی موت ہے۔“

”وہ پاگل کون تھا۔“

”وہ پاگل تھا ہی نہیں... وہا یک قیدی تھا۔ پاگل خانے کا قیدی۔“

”ہاں! اپنا اپنا مقدر ہے!“ حمید ایک سختی سائنس لے کر بولا۔ ”میں ایسا بد بخت ہوں کہ مجھے پاگل خانہ بھی نصیب نہیں ہوتا۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ سمجھدی گی سے کسی مسئلے پر غور کر رہا تھا۔

حمید کے حلق سے بھی کچھ اوپر ہو چکا تھا۔ اس لئے اب اسے پانی کے گھونٹ اتارنے میں تکلیف محسوس ہو ہی تھی۔ بدقت تمام اس نے تین چار گھونٹ لئے اور ایک لمبی سی ڈاکار لے کر کھڑا ہو گیا۔

”اب اگر آپ کی طرف بھی اشارہ کریں تو بیدرنغ چھانگ لگا دوں گا۔“
اس نے دوسری ڈاکار لے کر کہا۔

فریدی آقریباً آدھے گھنٹے تک عمارت کے تخلف حسوس کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ پھر اس نے ڈاکٹر کی تجربیہ گاہ رخ کیا۔ یہاں بھی اس نے چند الماریاں کھولیں اور ان میں رکھے ہوئے سامان کا جائزہ لیتا رہا۔ حمید خاموشی سے اس ساتھ ادھر ادھر ٹھلتا رہا تھا۔

اچانک فریدی نے اس کی طرف مرکز کہا۔ ”ڈاکٹر کے پاس تین کاریں تھیں ذرا گیراج میں دیکھنا تو کوئی گلزاری ہے یا نہیں؟“

حمدیلپورڑی سے نکل کر گیراج کی طرف چل پڑا۔ پوری کمپاؤنڈ سنان اور تاریک پڑی تھی۔ گیراج کے سامنے پہنچ گراں نے ٹارچ روشن کی۔ گیراج میں تالا بند نہیں تھی۔ یہ عجیب بات تھی کہ ڈاکٹر نے اپنے پیچھے چھوڑے ہوئے سامان کی محافظت کا کوئی انتظام نہیں کیا تھا۔ سارے کمرے کھلے پڑے تھے اور سامان جوں کا توں موجود تھا۔ شام کہ اسی کوئی چیز عمارت سے ہٹائی گئی ہو۔ پتہ نہیں، وہ نوکروں کو اپنے ساتھ لے گیا تھا یا انہیں چھٹی دے دی تھی۔

حمدیلپورڑی میں داخل ہوا۔ ایک کار موجود تھی۔ اس کی ایک کھڑکی پر حمید کو ایک ریشمی روپاں پڑا ہوا نظر آیا۔ یہ روپاں صبیحہ کے علاوہ اور کسی کا نہیں ہو سکتا کیونکہ اس پر الوکی تصویر بنی ہوئی تھی۔ حمید اسے کئی بار صبیحہ کے ہاتھ میں دیکھے چکا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر اسے اٹھایا۔

روپاں کے ایک گوشے میں کوئی چیز بندھی ہوئی تھی۔ حمید نے کاپٹتے ہوئے ہاتھوں سے گردھوںی... اور... یہ کاغذ کا ایک چھوٹا سا مٹکرا تھا جس پر پنسل سے جلدی میں کچھ لکھا گیا تھا۔

”جمال صاحب!“ کاغذ پر تحریر تھا۔ ”ڈیلڈی سچ مج پاگل ہو گئے ہیں۔ انہوں نے آپ کو کمرے میں ہند کر دیا ہے اور ہم لوگوں کو یہاں سے جا رہے ہیں۔ ہم کہاں جا رہے ہیں۔ یہ آپ کو اس نقشے سے معلوم ہوگا جو لپیورڑی کی تیر انبر والی

الماری میں رکھا ہوا ہے اور جمال صاحب! کیا لکھوں... میں نہ جانے کیوں آپ لوگوں پر اعتماد کرتی ہوں۔ تقوہ تلاش کر کے فوراً آئیے۔ آج میں بہت زیادہ خطرہ محسوس کر رہی ہو۔“ صبحہ ”

جمید یہ تحریر پڑھ کر سر پت دوڑتا ہوا تجربہ گاہ میں آیا۔ لیکن فریدی وہاں موجود نہیں تھا۔ دو میزیں اٹھی ہوئی نظر آئیں۔ شیشے کے بغیرے آلات کے رینے پر فرش پر بکھرے ہوئے تھے اور فرش پر کئی جگہ تازہ خون کے دھبے تھے۔ جمید بڑی تیزی سے دروازے کی طرف مڑا اور بام پہنچنے سے قبل ہی اس نے فارکی آواز سنی جو کمپاؤندھی کے کسی حصے سے آئی تھی۔ پھر پے در پے مزید تین فائرنریں جمید نے جھپٹ کر تجربہ گاہ کی روشنی گل کر دی۔ اب اس نے الجیو ٹری سے نکلنے کا ارادہ بھی ترک کر دیا تھا کیونکہ اس نے ابھی ابھی چند مخصوص قسم کی چیزیں سنی تھیں... آواز فریدی کی تھی اور یہ چیزیں ایک طرح کا اشارہ تھیں، جس کا مطلب اس کے علاوہ کچھ نہیں تھا کہ جہاں ہو۔ وہیں رک جاؤ...! جمید دم بخود کھڑا رہا۔

نقشہ اور تعاقب،

کمپاؤندھ پر پھر سنا نا طاری ہو گیا تھا۔ جمید نے تجربہ گاہ کا دروازہ ہند کر کے پھر روشنی کر دی۔ وہ جلد از جلد اس نقشے کو تلاش کر لینا چاہتا تھا جس کا حوالہ صبحہ نے اپنے خط میں دیا تھا۔ مگر وہ نقشہ... آخر اس قسم کے کسی نقشے کا کیا مقصد ہو سکتا تھا۔

یہاں تقریباً دو درجن الماریاں تھیں اور ہر الماری پر اس کے نمبر موجود تھے، جمید تیرہ نمبر کی الماری کے سامنے زک گیا۔ اچانک اس نے تجربہ گاہ کے دروازے پر فریدی کی آواز سنی۔

”اندر کون ہے؟“

”میں ہوں۔“ جمید دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ اس نے دروازہ کھول دیا۔ فریدی اندر واصل ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

”دروازہ بند کر دو۔“ اس نے کہا۔ حمید دروازہ بند کر کے فریدی کا جائزہ لینے لگا۔ اس کی نائی کی گردھیلی ہو کر سینے پر جھول رہی تھی اور بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے۔ گالوں پر ہلکی ہلکی خراشیں تھیں، جن سے خون نکل کر لکیروں کی شکل میں جنم گیا تھا۔

”کیا معاملہ تھا؟“ حمید نے پوچھا۔
”انہوں نے...“ فریدی پچھوچتا ہوا بولا۔ ”میرا خیال ہے کہ انہوں نے خاص طور سے تجربہ کاہی کو نشاٹ بنانے چاہا تھا۔ تعداد میں پائی گئی تھے۔ اور اپنے چہرے نقابوں میں چھپا رکھتے تھے۔“
”اور آپ بھی خاص طور سے تجربہ کاہی میں پیچھی لے رہے تھے۔“

”ہو سکتا ہے کہ دونوں کی دلچسپیوں کی ایک ہی وجہ ہو۔“ فریدی نے جواب دیا۔
”ابھی یور مت کرو۔“

حمدید نظر یہ انداز میں مسکرا یا اور آہستہ سے کہنے لگا۔ ” وجہ دریافت کرنے کے لئے آپ کو ساری الماریاں لٹھنی پڑیں گی۔“

”بکواس مت کرو۔“ فریدی بڑا بڑا اکراکی الماری کا تالا توڑنے لگا۔ اور حمید تیرہ نمبر کی الماری کی طرف متوجہ ہو گیا۔ تالا توڑنا مشکل نہیں تھا وہ جلد ہی کامیاب ہو گیا۔ اس الماری میں صرف کاغذات تھے۔ حمید نے ان سب کو نکال نکال کر فرش پر ڈھیر کر دیا۔

”کیا کر رہے ہو۔“ فریدی جھنجھلا گیا۔

”میں کہاں تک بیکار بیٹھا رہوں۔ آپ اپنا کام کیجیے۔“

فریدی ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑا اتنا ہوا اپنے کام میں مشغول رہا۔ جھوڑی دیر کی محنت کے بعد حمید کو نقشہ مل گیا۔ وہ بہت واضح اور صاف تھا۔
”وہ مارا۔“ حمید فرش سے کئی فٹ اونچا اچھل گیا۔

”میں کان پکڑ کر باہر نکال دوں گا۔“ فریدی کو سچ مج غصہ آگیا تھا۔ اس کے ہونٹ کا تپ رہے تھے۔

”یہ دیکھئے! نقشہ یہ رہا۔“ حمید اس کے غصے کی پرواہ کے بغیر دہاڑا فریدی نے جھپٹ کر اس کا گریبان پکڑ لیا اور کھیڑتا ہوا کمرے کے دوسرے سرے پر لے گیا۔

”دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ۔“ اس نے اس کی گردن پکڑ کر دیوار کی طرف موڑتے ہوئے کہا۔ ”واقعی میرے سارے گروش میں ہیں۔“ حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر گہا۔ ”دن بھر بند رہا اور اس وقت...“ وہ جملہ پورا کرنے کی وجہ سے اس نقشے کے متعلق سوچنے لگا۔ کیا فریدی کو کسی اور چیز کی تلاش تھی۔ وہ دیوار ہی کی طرف منہ کے ہوئے اطمینان سے کھڑا رہا۔

اچانک اس نے فریدی کی ہلکی سی کراہ سنی اور کسی کے فرش پر گرنے کی آواز آئی۔ حمید بیساختہ پلٹا۔ فریدی الماری سے تقریباً ڈیڑھنگز کے فاصلے پر فرش سے اٹھ رہا تھا اور ساتھ ہی وہ اپنا داہناباز و بھی رگڑتا جا رہا تھا۔ ”کیا ہوا؟“ حمید بوكھلا کر اس کی طرف دوڑا۔

”شاک۔“ فریدی فرش سے اٹھتا ہوا بولا۔ ”تالے میں کرفٹ ہے۔“ اب حمید یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ کہیں صحیح نے اسے یقوقف تو نہیں بنایا ہے۔ کیونکہ فریدی نے جس الماری کے تالے کی طرف اشارہ کیا تھا اس کا نمبر چھ، تھا۔

”آخر آپ کیا تلاش کر رہے ہیں۔“ حمید نے پلکیں جھپکاتے ہوئے پوچھا۔ ”ابھی بتاتا ہوں۔ ذرالائم آف کردو۔“

حمدید نے روشنی گل کر دی۔ فریدی شام کم پھر الماری کے قریب پہنچ چکا تھا کیونکہ آوازیں کچھ اس نسم کی آرہی تھیں جیسے وہ تالا توڑ رہا ہو۔ دوسرے ہی لمحے میں کھٹا کے کی آواز آئی اور فریدی نے کہا ”لامٹ آن کرو۔“

حمدید نے پھر روشنی کر دی۔ فریدی تالا توڑ کر الماری کے پٹ کھول چکا تھا اور وہ الماری! حمید اپنا سر سہلانے لگا کیونکہ الماری میں کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ خالی پڑی ہوئی تھی۔ کسی خانے میں ایک تنکا بھی نہیں نظر آ رہا تھا۔ فریدی کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئیں۔

”یہ کیا حماقت ہے۔“ حمید بڑا ایسا۔

”اب میری بھی کچھ سن سمجھے۔“ حمید نے کہا۔

”تم بھی بکوئی فریدی کی جھلک اکسی طرف مرتکب نہیں۔“

حمدید نے صبحہ کا خط اور نقشہ اس کے سامنے رکھ دیا۔ فریدی تھوڑی دیر تک خط اور نقشہ کا جائزہ لیتا رہا پھر بولا۔ ”یہ خط ہاں ملا تھا؟“

”گیراج میں۔“ حمید نے کہا اور رومال کا حصہ بتاتا ہوا بولا۔ ”رومال پر الوگی تصور تھی، ورنہ میں کبھی متوجہ نہ ہوتا۔ مجھے یہ پرندہ کسی عظیم سراغر ساں کی طرح عظیم معلوم ہوتا ہے۔“

”مگر یہ نقشہ! آخر اس کی ضرورت ہی کیا تھا۔ نہیں یہ سب بکواس ہے ڈاکٹر ہمارا وقت بردا دکرنا چاہتا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ وہ ہمیں سردار محمود کا آدمی سمجھتا ہے۔“

”تو کیا یہ سچ مجھ کسی دفینے ہی کا چکر ہے اور اچانک آپ نے یہاں کسی چیز ہے اور اچانک آپ نے یہاں کسی چیز کی تلاش کیوں شروع کر دی تھی۔“

”دفینہ وغیرہ سب بکواس ہے۔ یہاں مجھے ان چیزوں کی تلاش تھی جن کے متعلق خود مجھے بھی کوئی علم نہیں ہے۔“

حمدید کے چہرے پر الجھن کے آثار نظر آ رہے تھے۔ آخر کار اس نے جھلکر کہا۔ ”اب میں کچھ نہیں پوچھوں گا۔“

”بتاتا ہوں۔“ فریدی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

”کل رات میں نے سردار محمود کے یہاں کچھ ایسی چیزوں کا تذکرہ سناتھا، جو ان

لوگوں کے خیال کے مطابق تجربہ گاہ میں ہو سکتی ہیں کیونکہ تجربہ گاہ ہمیشہ رات کو خالی پڑی رہتی ہے اور وہ چیزیں ایسی ہی جگہ رکھی جاسکتی ہیں جس کی طرف کسی کا خیال نہ پہنچ سکے۔ مگر بعض ایسی جگہ رکھی جاسکتی ہیں جس کی طرف کسی کا خیال نہ پہنچ سے۔ مگر بعض اوقات فریدی سمجھا قسمیں سرزد ہوتی ہیں۔ میں نے سوچا کہ ڈاکٹر نے فرار ہوتے وقت یہاں سے ایسی کوئی چیز چھوڑی ہو گی۔“

”مگر یہ عمارت بھی پڑی ہوئی ہے اور یہاں ہزاروں کا سامان ہے۔ کیا ڈاکٹر مجھ پا گل ہو گیا ہے؟“

فریدی کچھ نہ بولا اور حمید کی سمجھنے پر تو فریدی کوئی بھتی رہی۔

”لا اون نقشہ تو لا او۔“ فریدی نے ٹھوڑی دبیجے بعد کہا۔

وہ کچھ دیر تک نقشہ پر جھکا رہا پھر بولا۔ ”میں اسے بھی وقت کی برا دینی کی سمجھتا ہوں، لیکن چلو یہی ہی۔ ویسے اس نقشے کے وجود کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی... اچھا آؤ۔“

”نقشہ آپ کی سمجھ میں آگیا۔“ حمید نے پوچھا۔

”ہاں! وہ بہت صاف ہے لیکن... وہ جگہ... کیا ہو گی... یہیں کہا جاسکتا۔“

”کیسی جگہ۔“

”جہاں آخری تیر بنا ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ نشانات رام گڑھ کے ایک غیر آباد حصے کی طرف اشارہ کرتے ہیں اس لئے یہ بتانا مشکل ہے کہ اختتام کسی عمارت پر ہوگا... یا... آو... گیراج میں ایک گاڑی تو موجود ہے۔ لیکن پہلے میں اس عمارت کی نگرانی کے لئے ماتھر کو فون کر دوں۔“

فون کرنے کے بعد وہ گیراج میں آئے۔ گاڑی موجود تھی اور اس میں کافی مقدار میں پٹرول بھی تھا۔ پٹرول کے دو بھرے ہوئے ٹین الگ سے بھی موجود تھے۔ اور حمید کی دانست میں وہ ایک نامعلوم منزل کے لئے روانہ ہو گئے۔

کیونکہ نقشہ حمید کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ کارسنسان راستوں پر دوڑتی رہی۔

”آن دونوں میں سے مجرم کون ہے۔ سردار محمود یا ڈاکٹر۔“ حمید نے پوچھا۔

”دونوں۔“

”اور دونوں ایک دوسرے کے دشمن بھی ہیں۔“

”ہاں... اور...“ فریدی کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ حموڑی دبی خاموش رہا پھر بولا۔ ”یار حمید ایک بات سمجھ میں نہیں آتی... خیر ہٹاؤ... پھر دیکھیں گے۔“

”نہیں ابھی اور اسی وقت دیکھیں گے۔“ حمید جھلکا۔

”اندھیرے میں کیا دیکھو گے! اولیے تم یہ ضرور دیکھوں گے کہ ہمارا تعاقب ہو رہا ہے۔“

”یعنی!“ حمید چونک کرمزا۔ کافی فاصلے پر کسی دوسری کار کی ہیڑ لا گئیں نظر آرہی تھیں۔ وہ حموڑی دبی تک دیکھتا رہا لیکن دونوں کاروں کے درمیانی فاصلے میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ اس لئے اسے بھی یہی سوچنا پڑا کہ وہ تعاقب ہی ہو سکتا ہے۔

”پرواہ نہ کرو!“ فریدی بڑھ بڑا یا۔ ”آج میں شکار کھیل رہا ہوں۔“

”ضرور کھیلے!“ حمید نے بیز اری سے کہا۔ ”تمہرے مقدار میں تو ایک گرام فون بھی نہیں ہے کہ کار لفتو آل کے ریکارڈی مسننا شروع کر دوں۔“

”گھبراو نہیں! ابھی جنگل میں منگل برپا کر دوں گا۔ سردار محمود کو زندہ دل آدمی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ ڈاکٹر نے مجھ سے مدح احصیل کی ہے۔ درست وہ پاگل خانے میں کریں فریدی بن کر کیوں داخل ہوتا۔“

”کیا وہ سردار محمود تھا۔“

”اس کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔“

”یعنی آپ کے پاس کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے۔“

”اتنا ٹھوس کہ سردار محمود کو زندگی ہی میں میدان حشر کا مرا آجائے گا۔“

”اور ڈاکٹر۔“

”ڈاکٹر!“ فریدی نے ہلاکا ساق تھکھہ لگایا۔ ”وہ اس قابل ہے کہ ڈالڈی بجا کرے
بندروں کے ساتھ چالیا جائے۔“
کارپڈ ستور سنان سڑک پر دوڑتی رہی۔

فریدی نے کہا ”امگے ایک موڑ اور ہے اس کے بعد ہم سیدھے جائیں گے
اوہو... اب یا آیا یا نہ آخہ کا نشان... مگر نہیں... وہ سڑک تم پیچھے چھوڑ
آئے ہیں... خیر دیکھو!“

”کار کی روشنیاں بجھا دیتھے تا سڑک صاف ہے۔“ حمید نے کہا۔

”اوہ انہیں اس کا بھی احساس نہ ہونا چاہئے کہ ہم اس تعاقب سے باخبر ہیں۔“
کار ایک دوسری سڑک پر مڑ گئی اور کچھ دور چل کر حمید پھر مڑا۔ دوسری کار اب بھی
اس کے پیچھے تھی۔

”ہم غلط نہیں آئے۔ وہ غالباً ڈی کی کھاد بنانے والی فیکٹری کی چمنی ہی ہے۔“ داشی
طرف دیکھو۔ اسی کے چار فرلانگ کے فاصلے پر تیر کا آخری نشان تھا۔

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ اس چمنی کی طرف دیکھ رہا تھا، جو اندھیرے میں بھی صاب نظر
آ رہی تھی۔

کار چلتی رہی... اچانک فریدی نے کہا۔ ”چار فرلانگ۔“
اور کار کی رفتار کم کر کے انہیں بند کر دیا۔

”جلدی سے اتر آؤ۔“ اس نے کہا اور حمید دروازہ گھول کر نیچے کو دیگیا۔ فریدی کہ
رہا تھا۔ اب میں سمجھ گیا۔ انہیں ڈاکٹر کی تلاش ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم اسی کے پاس
جائے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ صبیحہ ٹھیک ہی ہو... آؤ۔“

وہ ایک طرف اندھیرے میں چلنے لگے۔ تھوڑی ہی دور پر روشنی نظر آ رہی تھی۔
اترالی میں غالباً وہ کوئی عمارت تھی اور اس کی کھڑکیوں سے روشنی تھی۔

فریدی کی رفتار تیز ہو گئی۔ وہ کافی نیچے اتر آئے تھے۔ اس نے اس کا پتہ چلنا دشوار تھا کہ دوسری کارو بہاں پہنچی یا نہیں۔

وہ ایک مختصر سی عمارت تھی اور اس میں تین کمروں سے زیادہ نہ رہے ہوں گے۔ اس کی کئی کھڑکیاں روشن تھیں۔ فریدی حمید کو ایک بڑے پتھر کے پیچھے دھکیل کر خود عمارت کی طرف بڑھ کیا۔ لیکن اس کی واپسی بھی جلدی ہی ہوتی۔

”ٹھیک ہے جوہ آہستہ سے بولا۔“ وہ لوگ نہیں ہیں۔ میں نے صرف ڈاکٹر کو دیکھا ہے۔ لڑکیاں آئیں۔ وہ دونوں پتھر کی اوٹ میں تھے۔ یعنی سڑک سے اتر کر عمارت کی طرف آنے والے انہیں دیکھنے میں سلتے تھے۔ حمید کو تو احساس بھی نہ ہوتا کہ کب کون آیا اور کب گیا کیونکہ اس نے کسی قسم کی آواز نہیں سنی تھی اور نہ وہ پتھر کی اوٹ سے جھانکنے ہی کوئی کوشش کر رہا تھا۔

”وہ وہاں بیٹھ گے۔“ فریدی نے سرگوشی کی اور دوسرے ہی لمحے میں ایک چھٹا کاسانی دیا جیسے شیشے کی کوئی چاود فرش پر گر کر چور چور گئی ہو۔ حمید نے اب بھی آواز کی طرف دیکھنے کی کوشش نہیں کی، وہ مطمئن تھا کہ فریدی تو دیکھے ہی رہا ہے۔ جب وہ چاہے گا اسے کسی مشین کی طرح حرکت میں لے آیا۔ اچانک فریدی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور وہ بچوں کی بل چلتے ہوئے بڑی تیزی سے عمارت کی ایک دیوار کے نیچے پہنچ گئے۔ پھر انہوں نے قدموں کی آٹھیں سینیں، برآمدے میں کوئی کسی سے کہہ رہا تھا۔ ”تم یہاں ٹھہر وہ، جو بھی داہر آئے، نہایت اطمینان سے گولی مار دینا۔

فریدی نے آگے بڑھ کر برآمدے میں جھانکا۔ کھڑکیوں سے آنے والی روشنی اتنی کافی تھی کہ وہ ستون سے چمٹنے ہوئے اس آدمی کو بخوبی دیکھ سکتا تھا جس کی پشت اسی کی طرف تھی۔

حمدید نے فریدی کو برآمدے میں جاتے دیکھا اور وہ خودا بھی دوسرے سرے تک

پنجا بھی نہیں تا کہ اسے برآمدے میں کوئی کو دتا ہوا دکھائی دیا۔ پتہ نہیں وہ آدمی تھا یا جانور تھا یا گول مٹول سا۔ وہ اسی کی طرف آ رہا تھا۔ حمید وہ تین قدم پیچے ہٹ گیا۔ لیکن حقیقت معلوم ہوتے میں دری نہ لگی۔ وہ فریادی تھا اور اس نے کسی کو اپنی پیٹھ پر لا دکھا تھا۔ اس نے ایک یہجان سے آدمی کو زمین پر ڈال دیا۔

”آہ و مرگ یہ...!“

”اس کی پرواہ نہ کرو۔ اسے گھنٹوں میں ہوش آئے گا۔“

وہ دونوں دبے پاؤں چلتے ہوئے برآمدے میں آئے اور ہڑکیوں کے سامنے سے گذرتے ہوئے انہیں بھٹکا پڑا کہ وہ دوسری طرف سے ہڑکیوں کے سامنے سے گذرتے ہوئے انہیں بھٹکنا پڑا کہ وہ دوسری طرف سے دیکھے نہ جائیں۔ وہ دروازے میں داخل ہو کر ایک چھوٹی سی راہیں دری میں پہنچ گئے۔ سامنے والے کمرے میں ڈاکٹر آتشدان کے قریب ایک ایک آرام کرسی میں پڑا ہوا تھا اور اسے تین ایسے آدمیوں نے گھیر کھا تھا جن کے چہروں پر سیاہ نقاب تھے۔

ڈاکٹر کا چہرہ ہر قسم کے جذبات سے حاری نظر آ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ قطعی خالی الہمن ہو۔ وہ تین آدمی فائباً اپنے اس غیر متوقع القدام کا عمل معلوم کرنا چاہتے تھے، ورنہ پھر اس خاموشی کا کیا مطلب تھا؟

زرینہ

جمید نے اپنے ہاتھ پر کوئی ٹھنڈی سی خیز محسوس کی۔ فریدی نے اس کی طرف ایک روالور بڑھایا۔ جمید نے اس کے دستے پر مضبوطی سے انگیماں جمادیں۔

”ڈاکٹر...“ اندر ایک قومی ہیکل آدمی کہہ رہا تھا۔ ”یہ آخری موقع ہے، اس کے بعد شہیں افسوس کرنے کا بھی موقع نہ دیا جائے گا۔“

”میں نے آج تک اپنے کسی فعل پر افسوس نہیں کیا۔“ ڈاکٹر کا ہجھ پر سکون تھا۔ ”تم دس سال سے مجھے دیکھ رہے ہو۔ دس سال سے...“

”جاوہ انہیں تلاش کرو گا۔“ اس آدمی نے اپنے دو انوں ہاتھیوں سے کہا۔ ”اور اس خبیث کو بولنا ہی پڑے گا۔“

وہ دو انوں دروازے کی طرف بڑھے اور فریدی نے جلدی سے جمید کو اشارہ کیا۔ جمید ایک طرف سمت گیا۔ فریدی دروازے کی دوسری طرف تھا۔

جیسے وہ دو انوں باہر نکلنے کے سروں پر بیک وقت وہ ضریبیں پڑیں۔

اور وہ ڈھیر ہو گئے۔ ریوالوروں کے دستے کافی وزنی تھے۔ تیسرا آدمی بھی غرا کر دروازے کی طرف چھپتا لیکن دوسرے ہی لمحے میں فریدی کا گھونسہ اس کے جڑے پر پڑا اور وہ ڈاکٹر کے پیروں کے پاس جا گرا۔

”کمال۔ جمال۔“ وہ ڈاکٹر کی صرتہ آمیز چیخ تھی۔ لیکن فریدی اس کی طرف متوجہ تک نہ ہوا۔

”سردار محمود! چھرے سے نقاب اتنا رہو۔“ فریدی نے ریوالور کا رخ اس کی طرف کرتے ہوئے کہا اور پھر جمید سے بولا ”میری جبیب میں چھکڑیوں کا ایک جوڑا ہے، جو بارہ بجے کے بعد ہی سے میرے پاس رہا ہے۔ سردار محمود کے ہاتھ یقیناً سخت ہوں گے۔“

سردار محمود اپنا نقاب الگ کرتا ہوا بولا۔ ”تم کیا سمجھتے ہو! ہم ایک ڈرامے کا ریہر

سل کر رہے تھے... کیوں ڈاکٹر!“

”ڈرامہ ختم گیا، حمید چھکڑیاں لگادو۔ کرنل فریدی تمہیں پا گل نمبر چوالین کو زہر کا
نگاشن دینے کے الزام میں گرفتار کرتا ہے۔“

”کرنل فرید... تم... ڈاکٹر لیڑ کھڑا کر دیوار سے جالا۔“
حمدی چھکڑیاں لے گئے بڑھا اور فریدی نے گرج کر رہا۔ تمہیں محمود! تم اپنی جگہ
سے حرکت نہیں کرو گے۔ میں تم پر فائز بھی کر سکتا ہوں۔“

”یہ بکواس ہے۔ میں کسی یا گل کو نہیں جانتا۔ سردار محمود چیخان
”تم ٹھیک کہتے ہو! وہ پاکل نہیں تھا۔“ فریدی مسکر ابوالدین اس سے کوئی فرق
نہیں پڑتا۔ اس بیچارے کوئی دن سے بخار تھا۔ تم کرنل فریدی بن کراس کی کوئی ٹھری
میں داخل ہونے اور تم نے اسے زہر کا نگاشن دے دیا۔ وہ غالباً یہ سمجھا ہو گا کہ تم ڈاکٹر
ہو، کیونکہ تم میک اپ میں بھی تھے۔ حمید چھکڑیاں لگادو تو تاکہ میں اطمینان سے یہ
واستان سردار محمود کو سناسکوں۔“

حمدی نے چھکڑیاں لگادیں۔ سردار محمود چپ چاپ کھڑا رہا۔

جب چھکڑیاں لگ چکیں تو اس نے مسکرا کر کہا ”جو کچھ کہہ رہے ہو اس کا کوئی
ثبوت بھی ہے!“

ثبوت! میں نے آج تک کوئی کچا کام ہی نہیں کیا۔ میں جانتا ہوں کہ تم یہاں کے
ذی اثر لوگوں میں سے ہو۔ لیکن دنیا کی کوئی طاقت تمیں پھانسی کے پھندے سے
نہیں بچا سکتی۔“

”مجھ پر جھونٹا الزام لگایا جا رہا ہے۔“ سردار محمود نے تلخ لجھے میں کہا۔ ”اس کے
لئے تمہیں عدالت میں جواب دہ ہونا پڑے گا۔“

”میں جواب دے لوں گا۔ تم اس کی پرواہ نہ کرو۔ اے... ڈاکٹر تم کہاں چلے
بیجو... درنہ تمہارا حشر بھی کچھا چھانیں ہو گا۔“

اس پر ڈاکٹر اور سردار محمود نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ اشارے ہوئے پھر ڈاکٹر گلاصاف کر کے بولا۔ ”میں نہیں سمجھ سکتا

کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ ہم ایک ڈرامے کے لئے ریہر کر رہے تھے۔“

”مگر ڈاکٹر! کیا یہ بہر سل ہماری ہی تقدیر میں لکھ دیا گیا۔ ٹرین پر بیمه کمپنی کے ایجنٹوں کا یہر سل۔ پھر راستے میں کار پر ڈاکے کار یہر سل۔ اور اب یہ رہر سل نہیں ڈاکٹر یہ ڈرامہ اب اٹھنے نہیں ہو سکے گا۔ ہر قسم کے ریہر سل فضول ہیں۔ محمود صاحب نے پا گل خانے میں زہر کا انکشش و دینے کا ریہر سل فضول ہیں۔ محمود صاحب نے پا گل خانے میں زہر کا انکشش و دینے کا بہر سل فرمایا۔ لیکن اس بات کا خیال نہ رکھا کہ پا گل نمبر چوالیں کے بارو پر عقیق کا ایک بڑا سامنہ بھی موجود ہے اور وہ بوجھلاہٹ میں اس پر اپنے انگوٹھے کا ایک بہت ہی واضح نشان چھوڑ آئے۔ میں نے کہا کہ آخر میں کیوں اس ریہر سل سے محروم رہوں۔ لہذا آج جب سردار محمود صاحب تین بجے اپنے ڈرائیور میں لام جوں پی رہے تھے، میں ان سے زیادہ دور نہیں تھا۔ وہ گلاس ختم کر کے وہاں سے ہٹے اور میں نے اپنا پارٹ ادا کرنا شروع کر دیا۔ ظاہر ہے کہ میں نے وہ گلاس کیوں چرا یا ہو گا۔ بہر حال چھ بجے تک فنگر پرنٹ کے ایک پرٹ اس بات پر متفق ہو گئے کہ عقیق کے مہرے اور گلاس کے نشانات میں کوئی فرق نہیں۔ کیوں سردار محمود! کیا ڈرامہ اٹھنے ہو سکے گا۔“

سردار محمود اپنے خشک ہونٹوں پر زیان پھیر کر رہ گیا۔ اس کی حالت غیر ہوتی جا رہی تھی۔ فریدی نے آگے بڑھ کر اسے ایک کرسی میں دھیکیل دیا۔

”اب تم بکو! ڈاکٹر!“

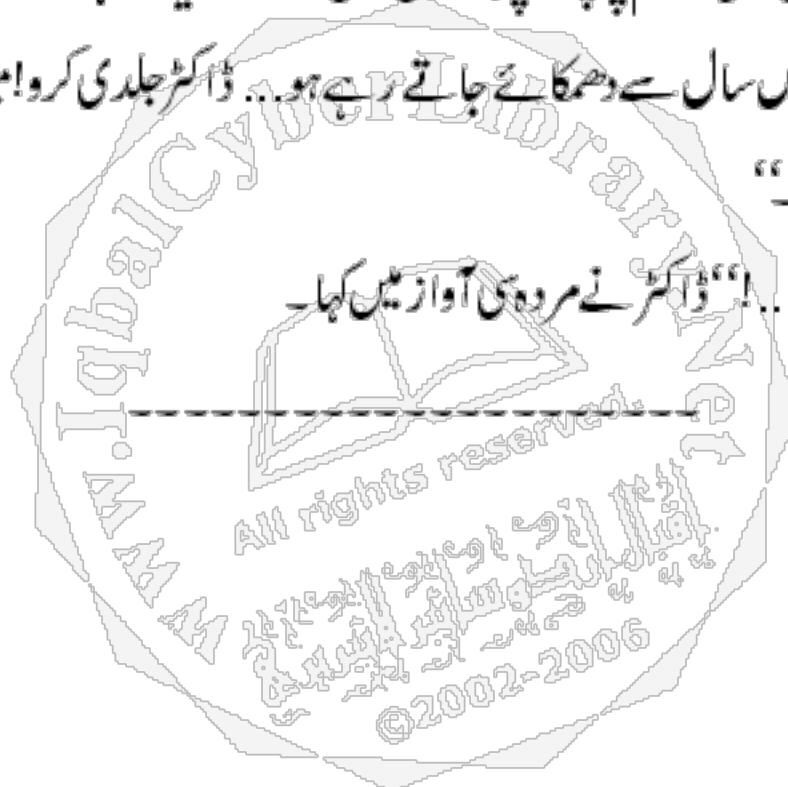
”کیا تم مجھ کرن ل فریدی ہو!“

”میرا وقت نہ بر باد کرو!“ فریدی نے خشک لبجے میں کہا۔ ”لڑ کیاں کہاں ہیں! بلکہ ان دونوں میں سے وہ لڑ کی کیون ہے!“

”میں تمara مطلب نہیں سمجھنا!“

”میں اس لڑکی کا کام پوچھنا چاہتا ہوں جس کے لئے یہ سارا ہنگامہ ہوا ہے۔ جس کے لئے تم دس سال سے وہمکائے جاتے رہے ہو... ڈاکٹر جلدی کرو! میرے پاس وقت کم ہے۔“

”زرینہ...!“ ڈاکٹر نے مردہ کی آواز میں کہا۔



داستان

کمرے میں ڈاکٹر فریدی اور جمید کے علاوہ دونوں لڑکیاں بھی تھیں اور وہ چاروں قیدی دوسرے کمرے میں بند کر دیئے گئے تھے۔ کھاد کی فیکٹری سے فریدی نے ماہر کو فون کر دیا تھا اور اب وہ اسی کا منتظر تھا۔

ڈاکٹر کمرے میں ٹھلٹھل کر کہہ کر کہہ رہا تھا۔ ”میں کیا کرتا۔ بالکل بے س تھا۔ پولیس کو اطلاع دینے کی صورت میں بھی اس کی حفاظت نہ کر سکتا۔“

”میں یہ داستان شروع سے سنتا چاہتا ہوں۔“ فریدی ایوالے ڈاکٹر چند لمحے خاموش رہا پھر اس نے کہا۔ ”مگر تم یہاں پہنچے س طرح!“

”آہا خوب آیا۔“ فریدی نے جلدی سے کہا۔ ”اس نقشے کا کیا مطلب تھا ڈاکٹر... وہ غالباً تیر انبر کی الماری میں تھا اور چہ نمبر کی الماری میں کیا تھا۔“

”وہ نقشہ! میں نے ان دونوں کے لئے بنایا تھا تاکہ خطرے کی صورت میں یہ یہاں تک پہنچ سکیں۔“ ڈاکٹر دونوں لڑکیوں کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”اور چہ نمبر کی الماری میں وہ کاغذات تھے جسے یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ زرینہ حقیقتاً کون ہے!“

”میں حقیقتاً کون ہوں۔“ زرینہ نے اس جملے پر حیرت کا اظہار کیا۔ لیکن ڈاکٹر اس کی طرف دھیان دیئے بغیر بولا۔ ”سردار محمود اور سردار ہاشم دونوں سے چھائی تھے۔ سردار ہاشم محمود سے زیادہ مالدار تھے۔ آج بھی وکھن میں اس کی چاندی کی کئی کامیں ہیں۔ لیکن وہ اپنی بیوی کو حاملہ چھوڑ کر فوت ہو گیا۔ سردار محمود نے بہت بھی تھا ایا ز... وہ سردار ہاشم کا میتھر تھا اور اسے سردار ہاشم سے بہت محبت تھی۔ واس کی بیوی کی حفاظت کرتا رہا۔“

ہاشم کی موت کے تین ماہ بعد ایک بچی پیدا ہوئی۔ لیکن اب ان دونوں کی زندگیاں خطرے میں تھیں۔ سردار محمود ان کا خاتمه کر دینے پر تلا ہوا تھا۔ آخر ایک دن ایسا ذ

انہاں بیٹیوں سمیت غائب ہو گیا۔ سردار محمود نے انہیں ان کا خاتمہ کر دینے پر تلا ہوا تھا، آخر ایک دن ایازان مار بیٹیوں سمیت غائب ہو گیا۔ سردار محمود نے انہیں بدنام کرنے کے لئے افسانے تراشے اور ان کے خلکی مشہر اکراویے۔ ایاز میرا پرانا شنا ساتھا۔ اس کی بدنامی میرے کانوں تک بھی پہنچی۔ بات کچھ دنوں بعد ختم ہو گئی۔ میں اس کہانی میں کیسے داخل ہوتا ہوں۔ یہ بھی عجیب واقعہ ہے۔ ایاز کے فرار کے ٹھیک چھ ماہ بعد مجھے سرکاری نظور پر انگلینڈ جانا پڑا۔ چونکہ قیام کی مدت پانچ سال تھی اس لئے بیوی اور بچوں کو بھی ساتھ لے جانے کی اجازت مل گئی تھی۔ اس وقت ہمارے صرف ایک آٹھ ماہ کی بچی تھی۔ ہم یہاں سے بندوگاہ کے لئے روانہ ہوئے تین دن بعد وہاں پہنچے۔ بچی راستے میں بیمار پڑ گئی۔ اس لئے ہمیں روانگی ماتوی کرنی پڑی لیکن بچی چار دن سے زیادہ زندہ نہ رہ سکی۔ واقعی وہ ایک پا گل کر دینے والا واقعہ تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ سروں پر اتنا اثر نہ ہوتا اور مگر میں تو قریب قریب پا گل ہو گیا تھا۔ مجھے یہ بھی یاد رہ گیا تھا کہ ہم انگلینڈ کے لئے یہاں آئے ہیں۔ میں سارا دن سڑکوں کی خاک چھانا کرتا تھا۔ اب میں سوچتا ہوں تو حیرت ہوتی ہے۔ کیا مجھے تو قع تھی کہ وہ بچی مجھے دوبارہ مل جائے گی۔! اچانک ایک دن ایاز سے ملاقات ہو گئی۔ اس کے متعلق میں قریب قریب سب کچھ بھلا بچکا تھا۔ لیکن ایاز نے خود ہی اس کا ظہار کیا۔ سردار ہاشم کی بیوہ ہمیں کاشکار ہو کر فوت ہو چکی تھی، لیکن بچی کو ایاز اب بھی سینے سے لگا پھر رہا تھا۔ اس نے میرے واقعات سن کر ایک تجویز پیش کی۔ کیوں نہ میں اس بچی کو لے کر اپنی کی طرح پا لوں۔ کسی کو علم بھی نہ ہو گا کہ وہ میری بچی نہیں ہے۔ پاسپورٹ پر نہایت آسانی سے انگلینڈ کا سفر کر سکتی تھی۔ میں ایاز کو اپنی قیام گاہ پر لایا۔ میری بیوی کو کی جب اس کے حالات معلوم ہوئے تو وہ بچی کو لے لینے پر اڑ گئی۔ اس کے ٹھیک ڈیڑھ سال بعد صبیحہ پیدا ہوئی۔ پھر مجھ پر دوسرا مصیبت نازل ہوئی۔ یعنی انگلینڈ سے واپسی سے چھ ماہ قبل میری بیوی بیمار ہوئی اور ایک ماہ بعد وہ بھی چل

بھی۔ بہر حال اس واقعے سے ملکہ سرا غرسانی کو کوئی دچپی نہیں ہو سکتی لہذا میں اپنی پریشانیوں کا مذکورہ کر کے بور نہیں کروں گا۔ پانچ سال پورے کر کے میں انگلینڈ سے واپس آگیا۔ میرے اعزز ہ کو دوڑ کیاں دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی۔ شام کے میں نے اپنی پچھی کی موت پر ان میں سے کسی کو خطا لکھ دیا تھا۔ بہر حال مجھے اچھی طرح یاد نہیں کہ لکھا تھا یا نہیں۔ ممکن ہے لکھ ہی دیا ہو۔ میں نے انہیں جھٹلانے کی کوشش کی۔ اس پر بات پھیل گئی لیکن معاملہ صرف چہ میگیو یاں ہی تک محدود رہتا۔ میکن آج سے دس سال پہلے کی بات ہے کہ ایک واقعے نے حالت کو دوسرا رنگ میں ڈھال دیا۔ ایک رات ایا زمیرے پاس پہنچا۔ وہ بہت زیادہ پریشان تھا۔ محمود کے آدمی اس کے پیچے تھے۔ اس نے کچھ کافرات میرے پر دکھے اور احتدما کی کہ میں اسے پا گل خانے میں پہنچا دوں۔ ایک پا گل کی حیثیت میں۔ اس نے بتایا کہ اسے زندہ رہنے کی خواہش نہیں ہے۔ مگر وہ اڑ کی کی سن بلونگ کو پہنچنے تک زندہ رہنا چاہتا ہے تاکہ سردار محمود کی جامت اپے ہاتھوں سے بناسکے۔ میں نے بھی سوچا تم بیر تو ٹھیک ہے۔ اس طرح اس کی زندگی بھی محفوظ ہو جائے گی۔ میں نے اسے پا گل خانے میں داخل کر دیا۔

سردار محمود کو اس کا علم ہو گیا۔ اڑ کیوں کے بارے میں پہلے ہی چہ میگیو یاں ہو چکی تھیں۔ اسے شک ہو گیا اور اس نے اڑ کیاں سمجھدار ہو چکی تھیں۔ اس لئے انہیں مطمئن کرنے کے لئے مجھے ایک فرضی دینے کی واسطہ ترشی پڑی۔ وہی واسطہ میں نے تم کو بھی سنائی تھی۔“

”مجھے اس پر کبھی یقین نہیں آیا تھا۔“ صبیحہ بول۔

”تم خاموش رہو۔“ ڈاکٹر اسے گھرتا ہوا بولا۔ پھر فریدی سے مخاطب ہو گیا۔ ” نہ سردار محمود ان واقعات کی طراح پولیس کو دے سکتا تھا اور نہ میں ہی ایسا کر سکتا تھا۔ وہ اس لئے نہیں دے سکتا تھا کہ اس کی نیت میں فتور تھا۔ اپنے بھائی کی جائیداد پر ہمیشہ

قابل رہنے کے لئے چپ چاپ لڑکی کوٹھکانے لگا دینا چاہتا تھا۔ میں اس لئے خاموش تھا کہ اگر پولیس کو اس واقعے کا علم ہو گیا تو لڑکی سردار محمود کے حوالے کر دی جائے گی کیونکہ قانونی طور پر وہی اس کا ولی تھا۔ اس طرح وہ سیدھی موت کے منہ میں چلی جاتی۔ بہر حال وہ مجھے ہر طرح پریشان کرتا رہا۔ وہ سمجھتا تھا کہ ایک دن میں شنگ آ کر لڑکی کو اس کے سپرد کر دوں کا لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔ حتیٰ کہ اسے آج تک یہی نہ معلوم ہو سکا کہ ان دونوں میں سے اس کی بیگی کون ہے وہ تو الگ رہا۔ یہ دونوں خودا بھی تک ایک دوسرا کی کو سگل بھینیں سمجھتی رہی ہیں۔ سردار محمود نے تو یہاں تک کوشش کی تھی کہ ان دونوں کو ختم کروادے۔ لیکن... خدا کا انصاف! وہ آج تک لاولدہ ہے اور اب اس کا رخ پھالی کے شستخت کی طرف ہو گیا ہے اور زرینہ اپنی اور اس کی دونوں جاسیدا دوں کی مالک بننے گی۔

”ارے... واہ۔“ صبیحہ ہاتھ نچا کر بولی۔ ”بڑی آئیں کہیں کی۔ کیا میں کہیں مر گئی ہوں۔ سردار محمود کی جاسیدا دیں لوں گی۔ اتنی جاسیدا دیں کیا کلیجے میں بھریں گی۔ اری واہ رہ میرل بلبل یہ رونا کیسا!“ وہ اٹھ کر زرینہ کے آنسو خشک کرنے لگی۔ ”صبیحہ!“ ڈاکٹر بگڑ گیا۔ ”اسے پریشان نہ کرو، درنہ تھپٹر مار دوں گا۔ وہ مجھے تم سے زیادہ عزیز ہے۔

اس لئے کہ وہ میرا شہ کار ہے۔ اسے میں نے جیسا بنانا چاہا بن گئی۔ اور تم نہ جانے کیا بن گئی ہوا!

”میں بیوقوف بن گئی ہوں ڈیڈی۔“ صبیحہ نے قہقہہ لگایا۔ ”سردار ہاشم کی بیٹی میں وہ۔ آپ خواہ مخواہ اپنی لڑکی کو میری جاسیدا دیں دلوانا چاہتے ہیں۔“

”ارے کم بخت! یہ کیا کہتی ہے!“ ڈاکٹر اپنا سر پیٹ کر بولا۔ ”اگر تو نے یہ بات کہی تو میرے فرشتے بھی یہ نہ ثابت کر سکیں گے کہ تو سردار ہاشم کی لڑکی نہیں ہے۔“ ”نہیں ڈاکٹر!“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ ”میرے پاس اس کا ثبوت ہے کہ

صیحہ تمہاری ہی لڑکی ہے اور یہ ثبوت مجھے آج ہی ملا ہے۔ تمہاری مرحومہ بیوی کی ڈائری جسے تم نے اپنی تجربہ گاہ میں رکھ چھوڑا تھا۔ اتنی احتیاط سے کسردار محمود کا ہاتھا س تک بہت آسانی سے پہنچ سکتا تھا۔ ”رشوت... رشوت میں بھی نہ مانوں گی۔“ صیحہ شور میانے والے انداز میں بولی۔

”اوہ واقعی۔“ ڈاکٹر سرہلہ کریمولا۔ ”میں بالکل گدھا ہوں۔“ ”تب میں آپ کی لڑکی نہیں ہوں۔ خواہ مجھے آپ کی بھی جائیداد نہ ملے۔“ صیحہ تے اس انداز میں کہا کہ فریدی اور حمید بیساکھ نام پڑے اور ڈاکٹر دانت پیتا ہوا صرف گھونسہ دکھا کر رہ گیا۔

دوسرے دن حمید کے استفسار پر فریدی نے اس کیس کی ابتداء پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ مرکزی محکمے کورام گذھ پولیس ایک گمنام شکایت نامہ موصول ہوا تھا کہ ایاز پر دسترس ہونے کے باوجود بھی وہ سردار ہاشم کی بیوی اور پچی کا پوتہ نہیں لگا سکتی اور ایاز بنا ہوا پاگل ہے۔ غالباً یہ شکایت نامہ سردار محمود ہی کی طرف سے بھیجا گیا تھا۔ کیونکہ اس میں یہ بھی تحریر تھا کہ ایاز کو پاگل خانے میں داخل کرنے والا ڈاکٹر نجیب ہے۔ سردار محمود نے یہ سوچا ہوگا کہ ممکن ہے کہ مرکزی محکمے کی تحقیقات کے دوران میں اس کی بھتیجی بے نقاب ہو جائے اور وہ اس کا کام تمام کرنے میں کامیاب ہو جائے، لیکن اسے کسی طرح فریدی کی آمد اور اس کے طریق کار کے متعلق علم ہو گیا۔ لہذا اس سکتا ہے کہ اس کی سارش کا راز ظاہر ہو جائے۔

تمام شد